www.UrduFanz.com
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز
سازش کا شکار
اشتیاق احمد
ورائٹی بک سٹال

حدیث شریف

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا، اے معاذ، دیکھنا، عیش پسند زندگی سے بچنا، اس لیے کہ اللہ کے بندے عیش پسندانہ زندگی نہیں گزارتے۔

(رواہ احمد، مشکوٰۃ)

ناول پڑھنے سے پہلے،
یہ دیکھ لیں کہ

- یہ وقت نماز کا تو نہیں؟
- آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔ کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں؟
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا؟

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے فرض ادا کر کے دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

مخلص:
اشتیاق احمد

دو باتیں

اس مرتبہ آپ کے کردار سازش کا شکار ہو گئے۔ ذرا دیکھیے تو سازش کیا تھی؟ سازش کا منصوبہ کس طرح ترتیب دیا گیا، کردار کس طرح اس کے جال سے نکلے، یہ سب تو آپ ناول میں پڑھ ہی لیں گے۔ اس وقت کا مسئلہ تو دو باتیں ہیں۔۔۔ مسئلہ، آپ جانتے ہی ہیں، یہ مسئلہ بہت ٹیڑھا ہے۔۔۔ یعنی ٹیڑھی کھیر ہے۔۔۔ کھیر ٹیڑھی ہو یا سیدھی، مزے دار چیز ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ایک آنکھ نہ بھاتی ہو۔ پسند کی بات بھی عجیب ہے، بلکہ عجیب بھی ہے۔۔۔ کسی کی پسند کسی دوسرے سے نہیں ملتی یا مشکل سے ملتی ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ میرا ہر ناول ہر قاری کو پسند نہیں آتا۔۔۔ ویسے تو بات بری بھی ہے کہ یہ پسند اور ناپسند کا چکر نہ ہو تو زندگی پھیکی پھیکی ہو جائے جیسے میرے بعض ناول آپ کو بالکل پھیکے پھیکے لگتے ہیں۔۔۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے، ناول کیسے بھی لکھیں، آپ پڑھتے ضرور ہیں اور میرے لیے یہی بات قابل اطمینان ہے۔ آپ بھی مطمئن رہیں۔ دو باتیں مکمل ہو گئی ہیں، باقی باتوں میں، کیوں کیسی رہی؟

بچپن کا دوست

انہیں ایک زبردست دھچکا لگا۔۔۔ انسپکٹر جمشید کا سر پوری قوت سے جیپ کے سٹیئرنگ سے ٹکرایا اور وہ بے حس و حرکت ہو گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اس زور سے اچھلے تھے کہ ان کے سر جیپ کی چھت سے ٹکرائے، تاہم وہ بے ہوش ہونے سے بال بال بچے۔ جیپ کا اگلا حصہ سڑک میں دھنس گیا تھا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے پچھلا دروازہ کھولا اور باہر نکلے، لیکن اگلے دونوں دروازے اس گڑھے میں پھنسے ہوئے تھے، سر توڑ کوشش کے باوجود وہ ان میں سے ایک کو بھی نہ کھول سکے اور اس طرح انسپکٹر جمشید اندر ہی پھنسے رہ گئے۔ اب تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"شیشہ نیچے گرا کر انہیں باہر کھینچا جا سکتا ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہاں، لیکن یہ بہت مشکل کام ثابت ہو سکتا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"اس کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

چنانچہ انھوں نے شیشہ نیچے گرا دیا اور پھر تینوں نے مل کر کسی نہ کسی طرح انسپکٹر جمشید کو باہر کھینچ لیا۔ انہیں سڑک کے کنارے لٹا کر جائزہ لیا تو پیشانی زخمی ہو رہی تھی، جس کا مطلب تھا، دماغ پر چوٹ آئی ہے۔

"اف خدا، اب کیا ہوگا؟" محمود بولا۔

"گھبرانے اور بوکھلانے سے تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم میں سے ایک کو شہر جانا ہوگا۔ باقی دو یہیں ٹھہریں گے، ابا جان کی حفاظت کے لیے۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل ٹھیک، شہر جانے کے لیے میں محمود کا نام تجویز کرتا ہوں، کیونکہ یہ ہم میں تیز رفتار ہے۔"

"مجھے شہر جانے میں کوئی اعتراض نہیں، ابا جان کے لیے جان بھی حاضر ہے، لیکن کیا تم جانتے ہو، ابھی کتنا فاصلہ باقی ہے؟"

"ہاں، تقریباً نصف۔ ہم نے جیپ میں تین گھنٹے سفر کیا ہے، گویا تقریباً دو سو کلومیٹر چلے ہیں اور دو سو کلومیٹر سفر باقی ہے۔ یہ سفر پیدل شاید اڑتالیس گھنٹے میں طے ہو سکے گا، لیکن محمود، ہمیں یہ کرنا ہی ہوگا۔ اس سڑک پر کسی بھی طرف سے کوئی گاڑی آنے کا امکان قطعاً نہیں ہے۔" "یہ بات ہم پہلے ہی جانتے ہیں۔" فرزانہ جلدی جلدی بولی۔

"ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو۔ خیر، میں اللہ کا نام لے کر جا رہا ہوں،

تم دونوں ابا جان کا خیال رکھنا اور انہیں ہوش میں لانے کی تدبیر کرتے رہو، ارد گرد کا جائزہ بھی لے لو، شاید آس پاس سے کوئی مدد مل جائے، لیکن تم میں سے ایک ضرور ابا جان کے پاس موجود رہے، لو میں چلا، خدا حافظ۔" محمود نے پرسکون آواز میں کہا۔

"خدا حافظ۔" دونوں نے ہاتھ ہلائے اور محمود تیز تیز چلتا ان سے دور ہونے لگا۔

وہ وادی گاٹیا سے لوٹ رہے تھے۔ تین دن پہلے وادی گاٹیا سے انہیں ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس وقت وہ شام کی چائے پی رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے خط کھولا تو چونک اٹھے۔

"ارے، یہ تو میرے بچپن کے دوست سلامت اللہ کا خط ہے۔ حیرت ہے، وہ ان دنوں وادی گاٹیا میں ہے۔ بیس سال بعد اس کا خط ملا ہے۔ نہ جانے اسے میرا خیال کس طرح آ گیا۔" یہ الفاظ کہہ کر وہ خط میں ڈوب گئے، پھر انہوں نے خط ان کی طرف بڑھا دیا۔ تینوں خط پر جھک گئے، لکھا تھا:

"پیارے دوست جمشید،

تمہارا بچپن کا دوست سلامت اللہ تم سے مخاطب ہے۔ امید ہے، تم مجھے بھولے نہیں ہو گے۔ میں اتنا عرصہ کہاں غائب رہا، یہ ایک بہت لمبی اور حیرت انگیز کہانی ہے۔ میں اس وقت وادی گاٹیا میں موجود ہوں۔ وادی حکومت سے

تقریباً چار سو کلومیٹر دور شمال میں واقع ہے۔ ایک چھوٹا سا
پہاڑی مقام ہے۔۔۔ امیر لوگ یہاں سیر کی غرض سے آتے ہیں
یہاں کا مشہور ہوٹل' ہوٹل فردوس ہے۔۔۔ دو تین اور ہوٹل
بھی ہیں' لیکن وہ اچھے نہیں۔ میں ہوٹل فردوس میں ہی
ٹھہرا ہوا ہوں اور ان دنوں ایک عجیب الجھن کا شکار ہوں'
اس الجھن سے مجھے تمہارے علاوہ کوئی دوسرا نہیں نکال سکتا'
لہٰذا بچپن کی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہاں آکر مجھے
اس الجھن سے نکالو۔ مہربانی فرما کر کسی سے ذکر نہ کرنا
کس سلسلے میں وادی کاٹیا جا رہے ہو۔۔۔ میں تمہارا بے چینی
سے انتظار کروں گا اور اگر تم نہ آئے تو سمجھ لوں گا' تم
بچپن کی دوستی کو بھلا چکے ہو۔ اس صورت میں شاید میں
زندگی بھر وادی کاٹیا سے نہ نکل سکوں۔ خدا حافظ۔

تمہارا دوست' سلامت اللہ"

خط پڑھ کر انہوں نے اپنی امی کی طرف سرکا دیا اور خود ان کی
طرف دیکھا:

"تو پھر کیا خیال ہے ابا جان؟"

"میں اپنے دوست کی مدد کے لیے ضرور جاؤں گا۔" وہ بولے۔

"تو پھر ہمیں بھی ساتھ لے چلیے۔"

"ٹھیک ہے' تم بھی تیاری کر لو۔۔۔ ہم صبح سویرے بذریعہ جیپ

روانہ ہوں گے۔" انہوں نے کہا۔

اور وہ خوش ہو گئے۔۔۔ دوسرے دن تقریباً دس بجے وہ وادی کاٹیا
پہنچ گئے۔ راستہ پوچھتے ہوئے وہ ہوٹل فردوس تک جا پہنچے۔ یہ ایک
بہت ہی چھوٹی سی وادی تھی۔۔۔ چند سو گھروں پر مشتمل آبادی رہی ہو
گی؛ تاہم مقام بہت پر فضا تھا۔ وہ ہوٹل کے اندر داخل ہوئے تو دو
بیرے ان کے استقبال کو بڑھے۔۔۔ وہ سیدھے کاؤنٹر پر پہنچے' وہاں
ایک بھاری بھرکم جسم والا آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی
تھیں۔۔۔

"یہاں سلامت اللہ صاحب نامی ایک مسافر ٹھہرے ہوئے ہیں۔
کیا آپ بتا سکتے ہیں' ان کا کمرہ کون سا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ' ہم سمجھے تھے' آپ ٹھہرنے کے لیے آئے ہیں۔" کاؤنٹر پر
بیٹھے شخص نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"آپ کا خیال غلط نہیں ہے۔۔۔ ہم یہاں ضرور ٹھہریں گے' لیکن
اس سے پہلے آپ ہمیں سلامت اللہ صاحب کے بارے میں بتائیں۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور رجسٹر پر نظریں دوڑانے لگا۔ آخر بولا۔

"سلامت اللہ صاحب تو یہاں سے جا چکے ہیں جناب۔ انہوں نے
پرسوں ہی کمرہ خالی کیا ہے۔"

"کیا مطلب' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ حیران رہ گئے۔

"جی کیا مطلب' یہ کیوں نہیں ہو سکتا۔" [illegible]

"دو دن پہلے کا ان کا لکھا ہوا خط مجھے کل ملا ہے۔ انہوں نے ہی ہمیں یہاں بلایا ہے۔ ہمیں یہاں بلا کر پھر وہ خود کہیں کس طرح جا سکتے ہیں؟"

"یہ تو وہی بتا سکتے ہیں جناب!" اس نے کندھے اچکائے۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر، وہ کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے؟"

"کمرہ نمبر دس تھا ان کے پاس۔"

"اور کیا یہ کمرہ اس وقت خالی ہے؟"

"جی ہاں، اس کے دائیں بائیں دونوں کمرے بھی خالی ہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر ہمیں وہ اور نو نمبر کمرہ دے دیں۔ رجسٹر پر انہوں نے جو دستخط کیے تھے، وہ مجھے دکھا دیں۔ ویسے اس ہوٹل کے مالک کون ہیں؟"

"میں خود ہی مالک ہوں۔ مجھے ساجد دیکھان کہتے ہیں۔" اس نے تعارف کرایا۔

انہوں نے دستخط دیکھے، بالکل وہی تھے، جو خط میں کیے گئے تھے۔

"ابا جان، کیا یہ دستخط بالکل وہی ہیں جو بیس سال پہلے آپ کے دوست کرتے تھے؟"

"اب مجھے ان کے بیس سال پہلے کے دستخط یاد نہیں رہے۔

ان سے بھی ہماری کبھی خط و کتابت نہیں رہی۔ وہ بھی دارالحکومت میں ہی رہتا تھا۔" انہوں نے کہا۔ آخر وہ کمرہ نمبر دس میں آئے۔ اس کا اچھی طرح جائزہ لیا، لیکن کسی قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ اور یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سلامت اللہ پریشانی یا گھبراہٹ میں ہوٹل کے کمرے سے رخصت ہوا ہے۔

"عجیب معاملہ ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، سلامت اللہ چند دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ دشمنوں کو صرف یہ معلوم تھا کہ وہ وادی کاغان میں موجود ہے، لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ہوٹل فردوس میں ٹھہرا ہوا ہے۔ بعد میں انہوں نے اس کا سراغ لگا لیا اور سلامت اللہ خطرہ محسوس کرتے ہی اس ہوٹل سے رخصت ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اب وہ کسی اور جگہ موجود ہے اور ہم سے جلد ہی رابطہ قائم کرے گا۔ یا پھر ہمیں اس کی تلاش میں نکلنا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

رات گئے تک وہ سلامت اللہ کے فون کا انتظار کرتے رہے، لیکن نہ اس کا فون آیا، نہ وہ خود آیا۔ دوسرے دن صبح سویرے انہوں نے کاؤنٹر کلرک کو ہدایات دیں اور باہر نکل گئے۔ پوری وادی میں گھومتے پھرے، لیکن کہیں بھی سلامت اللہ نہ ملا۔

"اب تو مجھے شک ہو رہا ہے، یہاں صورت [illegible] کبھی موجود نہیں رہا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ابا جان، ہوٹل کا رجسٹر تو ان کی موجودگی کی کہانی سنا رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔" وہ بولے۔

دوسرے دن بھی وہ وادی میں گھومتے پھرتے رہے، لیکن سلامت اللہ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر تیسرے دن انسپکٹر جمشید بولے:

"نہیں بھئی، سلامت اللہ اب اس وادی میں کہیں نہیں ہے۔ وہ کسی طرح نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے موقع مل گیا ہوگا، چنانچہ وہ بھاگ نکلا۔ اس صورت میں اسے ہمارا انتظار کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اب وہ ضرور دارالحکومت میں آ کر ہم سے ملاقات کرے گا۔ لہٰذا میں نے بھی واپسی کا ارادہ کر لیا ہے۔ دو دن ہم سیر بھی کر چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ابا جان، ان حالات میں اور کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔" محمود بولا۔

وہ اپنا سامان اٹھا کر کاؤنٹر پر آ گئے۔

"ارے، آپ لوگ جا رہے ہیں۔"

"ہاں، ہم دراصل سلامت اللہ صاحب سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ وہ یہاں ٹھہرے ہی نہیں، لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں۔"

حساب کتاب کر کے وہ باہر نکلے۔ جیپ میں بیٹھے اور وادی سے باہر جانے والی سڑک پر ہو لیے۔ آخر اس سڑک پر پہنچے جو دارالحکو[illegible]

ہوتی تھی۔ لیکن یہاں پہنچ کر انہیں رک جانا پڑا۔ سڑک کے کنارے ایک سرخ رنگ کا بورڈ رکھا گیا تھا۔ اس پر لکھا تھا۔ سڑک برائے مرمت بند ہے۔

وہ جیپ سے نیچے اتر آئے۔ کچھ فاصلے پر مزدور سڑک پر کام کرتے نظر آئے۔

"کیوں بھئی کتنی دیر کا کام ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی دو دن لگ جائیں گے۔"

"کیا مطلب، دو دن تک سڑک بند رہے گی؟"

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"اور لوگ کس سڑک سے آئیں جائیں گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ایک دوسری سڑک ہے۔ وہ سڑک اتنی اچھی نہیں ہے، چھوٹی سی ہے اور قدرے لمبی بھی، لیکن بہرحال دو دن تک وہی سڑک استعمال میں رہے گی۔ یہ سڑک حالیہ بارشوں کی وجہ سے جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی ہے۔"

"اور وہ سڑک کس طرف ہے؟"

"اس چھوٹی سڑک پر چلے جائیے۔ آپ اسی سڑک پر پہنچ جائیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا اور جیپ میں آ بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوسری سڑک پر چلے جا رہے تھے۔

"شاید بہت کم لوگ اس وادی کا رخ کرتے ہیں۔" محمود بولا۔
"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، میں تو یہ سوچ رہا ہوں، سلامت اللہ پر کیا گزری؟" انسپکٹر جمشید بولے۔
"یہ بات تو وہ خود ہی بتا سکتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔
"ابھی تک دوسری طرف سے کوئی گاڑی آتی دکھائی نہیں دی۔" فرزانہ نے اچانک کہا۔
"کیا مطلب؟" محمود چونکا۔
"اصلی سڑک برائے مرمت بند ہے۔ اس صورت میں دارالحکومت سے آنے والے لوگ بھی تو متبادل سڑک پر سے آئیں گے۔"
"لیکن ہم پہلے ہی یہ نتیجہ نکال چکے ہیں کہ یہاں آنے والے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے — ہوٹل فردوس کے اکثر کمرے ہم خالی دیکھ چکے ہیں، حالانکہ موسم بہار کا ہے اور ان دنوں تو یہاں بہت سے لوگوں کو آنا چاہیے۔" فرزانہ نے پریشان کن لہجے میں کہا۔
"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"
"کہیں ہم کسی جال میں تو نہیں پھنس گئے۔"
"ہو سکتا ہے، تمہارا خیال ٹھیک ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"اور آپ مسکرا رہے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"اور کیا کروں۔"
"ہمیں یہیں سے واپس ہو جانا چاہیے۔" محمود بولا۔

"ہرگز نہیں — اگر یہ جال ہے تو اس میں پھنس کر ہی دیکھا جا سکتا ہے کہ جال کس قسم کا ہے اور کسی کو اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"
"گویا آپ خود ہی جال میں پھنسنے جا رہے ہیں۔" فاروق بوکھلا کر بولا۔
"ہاں بھئی، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے — مجرم جو چاہتا ہے، کرنا پڑتا ہے۔" انہوں نے کہا۔
"جیسے آپ کی مرضی، ویسے میں تو اسے آ بیل مجھے مار کے برابر خیال کروں گا۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔
"بیل کو دعوت دینا ہماری پرانی عادت ہے۔" انہوں نے کہا۔

اور ان کا سفر جاری رہا — تقریباً دو گھنٹے بعد ایک جگہ سڑک بہت اونچی نظر آئی۔ دوسری طرف کی کوئی چیز بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی — انسپکٹر جمشید نے جیپ کی رفتار کم کر لی اور پھر وہ سڑک کی اونچائی پر پہنچ گئی۔ جوں ہی ڈھلوان میں اترنے لگے، انہیں ایک خوفناک گڑھا نظر آیا، لیکن اب سنبھلنے کا وقت گزر چکا تھا — رفتار اتنی کم نہیں تھی کہ بروقت جیپ کو روکا جا سکتا۔ نتیجہ یہ کہ جیپ کا اگلا حصہ ٹھک کر کے گڑھے میں جا دھنسا — انہیں ایک زبردست دھچکا لگا — انسپکٹر جمشید کا سر زور سے سٹیرنگ سے

ٹکرایا۔ وہ اتنے اونچے اچھلے کہ سر جیپ کی چھت سے ٹکرا گئے۔

وہ بہت دیر تک محمود کو دور ہوتے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا ــــ اب وہ مڑے اور چاروں طرف کا جائزہ لیا ــــ اچانک انہوں نے دور جنگل میں دھواں اٹھتے دیکھا۔

دیو صاحب

"فاروق، اس طرف ضرور آبادی ہے۔ تم دوڑ کر جاؤ اور اگر ہو سکے تو دو چار آدمیوں کو مدد کے لیے لے آؤ" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں ــــ تم ہوشیار رہنا" فاروق نے کہا اور دوڑ لگا دی۔

"فکر نہ کرو، میں پوری طرح ہوشیار ہوں" فرزانہ نے ہاتھ ہلایا۔ جوں ہی فاروق نظروں سے اوجھل ہوا، اس کا دل دھک دھک کرنے لگا پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھا، لیکن ہر طرف سکون تھا۔ وہ سوچ میں ڈوب گئی: آخر میرا دل کیوں دھڑک رہا ہے۔ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو انسپکٹر جمشید پر جھک گئی اور شانے سے پکڑ کر انہیں ہلانے لگی ــــ

"ابا جان، ہوش میں آئیے ــــ یہ جگہ کچھ خوف ناک سی محسوس ہو رہی ہے"

لیکن انسپکٹر جمشید کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اچانک اس نے کسی کی ہنسی کی آواز سنی ــــ وہ چونک اٹھی ــــ ہنسی بہت عجیب سی تھی۔

بوکھلا کر سر اٹھایا تو ہوش اڑتے نظر آئے۔ ایک دیو قامت آدمی دونوں
دونوں ٹانگیں پھیلائے اور ہاتھ کولہوں پر رکھے کھڑا تھا۔ اتنے لمبے قد
چوڑے جسم والا آدمی اس نے پہلے کبھی شاید ہی دیکھا ہوگا۔ اس پر اس
کی عجیب و غریب ہنسی، ہنسی تھی کہ کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لے
رہی تھی۔

"شش، تم — تم کون ہو اور اس طرح کیوں ہنس رہے ہو؟"

"میں کوہ قاف کا دیو ہوں" — اس نے ہنسی روک کر کہا اور
جملہ مکمل کرنے کے بعد پھر ہنسنے لگا۔

"ارے باپ رے، آج تک کوہ قاف کے بارے میں کتابوں میں
پڑھتے آئے ہیں۔ کسی کے منہ سے پہلی بار سن رہی ہوں اور وہ بھی ایک
دیو کے منہ سے — لیکن میں نے تو سنا تھا دیو کے سر پر سینگ بھی ہوتے
ہیں، لیکن تمہارے سر سے تو سینگ اس طرح غائب ہیں، جس طرح
گدھے کے سر سے۔"

"کیا بک رہی ہو، بدتمیز لڑکی — میں تمہیں مزا چکھا دوں گا —"
اس نے پھر ہنسی کو بریک لگایا، لیکن اس مرتبہ جملہ مکمل کر کے دوبارہ
ہنسی شروع نہیں کی — شاید اسے واقعی غصہ آ گیا تھا۔

"اوہو، آپ تو ناراض ہو گئے دیو صاحب، خیر فرمائیے، آپ کیا
چاہتے ہیں؟"

"کوہ قاف کے بادشاہ کا حکم ہے کہ میں اس شخص کو اٹھا کر

اس کے دربار میں پہنچا دوں۔"

"لیکن کیوں، بادشاہ کو ان کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" فرزانہ حیران
ہو کر بولی۔

"بادشاہ سلامت ہی بتا سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ جھکا اور انسپکٹر جمشید
کو اٹھانے کے لیے ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔

"ارے خبردار، دیو ہو گے اپنے گھر — میرے ابا جان کو ہاتھ لگایا
تو جلا کر راکھ کر دوں گی۔" فرزانہ چلائی۔

"جلا کر راکھ، کیا تم کوئی جادوگرنی ہو؟" دیو بوکھلا کر بولا۔

"کوئی ایسی ویسی جادوگرنی، تم نے شمشام اور سامری جادوگر
کی بڑی بہن رابانہ جادوگرنی کا نام تو سن ہی رکھا ہوگا۔"

"ہاں کیوں؟" دیو بوکھلا کر بولا۔

"بس تو میں اس کی چھوٹی بہن ہوں اور اس نے اپنا سارا علم
مجھے سکھا رکھا ہے۔"

"ارے باپ رے، پھر تو کچھ سوچنا پڑے گا۔ کہیں میں جل کر
راکھ ہی نہ ہو جاؤں۔" اس نے کانپ کر کہا، پھر زور سے چونکا اور
بولا۔

"اوہو، میں بھی کتنا احمق ہوں — شہنشاہ کوہ قاف کی دی ہوئی
انگوٹھی کو بھول ہی گیا۔ اس کے ہوتے مجھ پر بھلا کسی جادو کا اثر
ہو سکتا ہے۔ رابانہ جادوگرنی کی بہن، تم اپنا زور لگا لو، میں اس کو

کو اٹھا کر لے جا رہا ہوں۔"

"وہ۔۔۔ دیکھو، باز آ جاؤ، ورنہ پچھتاؤ گے۔" فرزانہ چلائی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس دیو قامت آدمی سے مقابلے کا خیال تک اسے ہولائے دے رہا تھا۔ ہتھیار کوئی پاس تھا نہیں اور صرف ہاتھوں سے مقابلہ کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ آسانی سے اسے اپنے والد کو اٹھائے جانے دیتی، چنانچہ آگے بڑھی اور چلا کر بولی:

"اے خبردار، کیوں اپنی موت کو آواز دے رہے ہو، لو اب میں اپنی آئی پر آتی ہوں، تم شہنشاہ کوہ قاف کی انگوٹھی کی طاقت کو آزماؤ۔" یہ کہہ کر وہ اس کی طرف دوڑی۔ پہلے تو سامنے کی طرف سے، پھر یکایک مڑی اور اس کی کمر پر پہنچ گئی۔ لمبے آدمی کو شاید اس سے اتنی پھرتی کی امید نہیں تھی۔۔۔ ابھی وہ اس کی طرف مڑا بھی نہیں تھا کہ فرزانہ نے ایک چھلانگ لگائی اور اس کی گردن میں دونوں بازو ڈال کر جھول گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا؟" لمبا آدمی بوکھلا اٹھا۔

"یہ سلیمانی داؤ ہے، پہلے اس داؤ سے بچ کر دکھاؤ۔" یہ کہتے ہوئے وہ دونوں بازوؤں کو کسنے لگی۔

"اچھا تو پھر شہنشاہ جنات کا سکھلایا ہوا گر کام میں لاتا ہوں۔ لو سنبھلو۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے گھومنے لگا۔ فرزانہ کا دھڑ زمین کے متوازی ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ ساتھ کسی پھرکی کی طرح گھومنے لگی۔

"جوں ہی میں رکوں گا، تم ہوا میں اڑتی کسی درخت سے ٹکرا جاؤ گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"مشکل ہے، جتنی دیر میں تم رکو گے، میں تمہارا گلا گھونٹ چکوں گی۔" فرزانہ بولی۔

"دیکھا جائے گا، کس کا داؤ کامیاب رہتا ہے۔" اس نے بے فکری کے انداز میں کہا۔

اس کے چکر میں بلا کی تیزی آ گئی۔ فرزانہ کو خوف محسوس ہونے لگا۔ اس کے اچانک رکنے کی صورت میں زبردست جھٹکا اسے لگتا اور اس کے ہاتھ چھوٹ سکتے تھے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے بازوؤں کو اور بھی مضبوطی سے تھام لیا اور گردن پر دباؤ بڑھا دیا۔ دیو قامت آدمی نے بھی یہ بات محسوس کر لی اور گھومنے کی رفتار اور تیز کر دی۔ وہ پوری طرح تیز گھومنے کے بعد اچانک رکنا چاہتا تھا، تاکہ اس کا وار خالی نہ جائے اور پھر وہ یک لخت رک گیا۔ فرزانہ کو ایک ہوش ربا قسم کا جھٹکا لگا۔ اس کے ہاتھ گردن سے الگ ہو گئے اور وہ فضا میں گویا اڑتی ہوئی ایک سمت میں گئی، پھر دھڑام سے کسی سے ٹکرائی۔ "اوہ۔۔۔" ساتھ ہی اس نے فاروق کی چیخ سنی۔

"فرزانہ، یہ کیا بدتمیزی ہے۔ بدتمیزی دکھانے کے لیے تمہیں یہی جگہ ملی ہے۔"

اور یہ اتفاق ہی تھا کہ فرزانہ کسی درخت سے ٹکرانے کی بجائے فاروق سے ٹکرا گئی تھی جو واپس آ رہا تھا۔ فرزانہ کے ساتھ وہ بھی دھڑام سے گرا۔ دونوں گرتے پڑتے اٹھے تو ان کی نظر بھی دیو قامت آدمی پر پڑی۔

"ارے باپ رے۔ یہ۔۔۔ یہ کون ہے؟"

"کوہ قاف کا دیو۔" فرزانہ بولی۔

"کک۔ کیا مطلب؟" فاروق جھلایا۔

"اپنا تعارف اس نے انہی الفاظ میں کرایا ہے۔ مطلب تم خود پوچھ لو، مجھ میں تو ہمت نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں فرزانہ، مطلب ہم دونوں مل کر پوچھیں گے، ورنہ یہ ہمیں ہرگز نہیں بتائے گا۔" یہ کہتے ہوئے فاروق نے جھک کر دونوں مٹھیوں میں مٹی بھر لی۔

دیو قامت آدمی اسے ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکا۔ وہ تو انسپکٹر جمشید کو اٹھانے میں مصروف تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے انہیں اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔۔۔ یہ دیکھ کر دونوں تیزی سے آگے بڑھے اور اس کے سامنے آ گئے۔

"اوہو، تم تو ایک سے دو ہو گئے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ڈرو اس وقت سے جب ہم دو سے تین ہو جائیں گے اور اس وقت سے تو تمہیں لرزنا چاہیے جب تین سے چار ہو جائیں گے تم اس وقت پناہ مانگتے نظر آؤ گے، لیکن پناہ بے چاری خود اس وقت پناہ مانگ رہی ہو گی، تمہیں کیا منہ لگائے گی۔" فاروق نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اوہو، بہت زیادہ زبان چل رہی ہے۔۔۔ خیر پہلے تم دونوں سے بھی نپٹ لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے انسپکٹر جمشید کو سڑک کے کنارے ڈال دیا اور جھومتا جھامتا ان کی طرف بڑھا۔

"میری ان مٹھیوں کو دیکھ رہے ہو۔" فاروق دونوں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھوں، ان میں کیا خاص بات ہے۔" وہ ہنسا۔

"یہ دونوں مٹھیاں تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑیں گی۔ کہیں کا نہ رہنے کا مطلب سمجھتے ہو نا؟" فاروق بولا۔

"اچھی طرح، میں بھی تمہیں ناکوں چنے چبوا دوں گا۔ تم اس کا مطلب سمجھتے ہو نا۔" اس نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

فاروق نے چونک کر اسے دیکھا۔ یہ شخص عقل سے پیدل نہیں تھا۔ اس خیال نے اسے ہوشیار کر دیا اور جوں ہی وہ نزدیک آیا۔ اس نے پوری احتیاط سے دونوں مٹھیاں اس کی آنکھوں میں جھونک دیں۔ ہوا کا رخ بھی اسی کی طرف تھا، لہٰذا مٹی خوب اچھی

طرح اس کی آنکھوں میں لگی اور اس کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر
جا لگے، وہ چیخ اٹھا۔

"ارے! یہ کیا؟"

"کوہ سلیمان کی خاک" فاروق چہکا۔

اب دیو قامت آدمی اندھوں کی طرح ہاتھ پھیلائے ان کی
طرف بڑھا اور وہ بھڑک کر دائیں بائیں ہٹ گئے۔۔۔ انہیں خطرہ
تو یہ کہ کہیں ان کے والد پر اس کا پاؤں نہ آجائے، چنانچہ
اس جگہ سے دور ہٹنے لگے، ساتھ ہی اسے للکارا:

"آؤ بھئی، اب حملہ کیوں نہیں کرتے؟"

"ہم، میں تم سے سمجھ لوں گا" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"کیا سمجھ لوگے، کوئی کام کی چیز سمجھنا" فاروق مسکرایا۔

وہ آنکھیں بہت تیزی سے مل رہا تھا، اچانک اس نے آنکھیں
کھول دیں اور جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔۔۔ ان پر نظر پڑتے ہی
تیزی سے آگے بڑھا۔ اب وہ دیکھنے کے قابل ہو گیا تھا، لیکن آنکھوں
میں تکلیف ابھی باقی تھی۔

"فاروق، ہمیں اس سے بھڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے" فرزانہ
نے سرگوشی کی۔

"کیا مطلب، بھڑیں نہ تو کیا کریں"

"کیوں نہ بھگا بھگا کر تھکا ماریں"

"ترکیب اچھی ہے، آؤ بھاگیں، لیکن ہم اس جگہ سے زیادہ
دور نہیں جا سکتے۔۔۔ ٹھیک ہے، ہم اباجان سے کچھ فاصلے پر رہتے
ہوئے دائرے کی صورت میں بھاگتے رہیں گے اور جب یہ تھک کر
ہانپنے لگے گا، اس پر حملہ آور ہو جائیں گے"

"میرا بھی مطلب تھا" فرزانہ بولی۔

دونوں اچانک مڑے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

"ارے بھئی، کہاں چلے، اپنے جادو سے کام لو" دیو قامت
نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا اور خود بھی ان کے پیچھے بھاگ
کھڑا ہوا۔ اس کی رفتار دیکھ کر دونوں کو ہاتھوں پسینہ آ گیا۔۔۔ آن کی
آن میں وہ تو ان کے سروں پر پہنچ گیا تھا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ تو پھرتیلا بھی ہے" فرزانہ نے گھبرا کر
کہا اور بدک کر بھاگی۔

"پھرتیلا دیو۔۔۔ یہ تو کسی۔۔۔۔ لیکن نہیں، آج کل ناولوں کے
ہم جنوں اور دیوؤں پر نہیں لکھے جاتے، ان کا زمانہ لد گیا" یہ
کہتے ہوئے اس نے بھی رفتار بڑھا دی، لیکن یہ دیکھ کر ان کے
اوسان خطا ہو رہے تھے کہ جب بھی انہوں نے پیچھے مڑ کر دیو قامت
کو ہر بار ہی پایا۔۔۔ اچانک اس کی ہے ہے کی ہنسی ان کے کانوں میں
گونجنے لگی۔

"ہو ہو، ہا ہا ہو، ہا ہا ہو، ہو ہو ہو"

"یہ، یہ خوشی کا کون سا موقع ہے؟" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"میں ہنس اس بات پر رہا ہوں کہ تم بھاگ دوڑ میں مجھ سے بازی نہیں لے جا سکو گے، میں تمہیں تھکا ماروں گا۔"

وہ سناٹے میں آ گئے۔ پروگرام یہ ان کا تھا کہ وہ اسے تھکا ماریں گے اور جب تھک کر چور ہو جائے گا تو اس پر ٹوٹ پڑیں گے، لیکن اب وہ بھی یہی دعویٰ کر رہا تھا کہ وہ انہیں تھکا مارے گا۔ عجیب صورت حال تھی۔ تجربہ کرنے کے لیے فرزانہ نے تلملاتے ہوئے لہجے میں کہا:

"فاروق، اب ہمیں اس کے بارے میں پوری طرح اندازہ ہو ہی جائے۔ آؤ، پوری رفتار پر دوڑیں۔"

"ٹھیک، ٹھیک ہے۔" وہ ہکلایا۔

دونوں نے پوری طاقت سے بھاگنا شروع کر دیا۔ دو منٹ بعد مڑ کر دیکھا تو دیو قامت اب بھی اتنے ہی فاصلے پر نظر آیا۔

"نہیں فرزانہ! یوں کام نہیں بنے گا۔ یہ ہمیں واقعی تھکا مارے گا، ہمیں اس سے مقابلہ ہی کرنا ہو گا۔" فاروق نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تو پھر آؤ، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

یہ کہہ کر فرزانہ یک لخت رک گئی اور رکتے ہی مڑی۔ اتنے میں دیو قامت بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ فرزانہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ،

اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر کمر پر پہنچ گئی۔ ایک نظر فاروق پر ڈالی کہ کہیں فاروق تو زد میں نہیں آ رہا، لیکن فاروق اس وقت تک اس کی چال بھانپ کر ایک طرف چھلانگ لگا چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے دیو قامت کی کمر پر فرزانہ کے سر کی زوردار ٹکر لگی۔ اس کا خیال تھا، یہ ٹکر دیو قامت کو زمین دکھا دے گی، لیکن اس نے دیکھا، دیو قامت دو چار قدم آگے کی طرف لڑکھڑایا ضرور، لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ لیکن سنبھلا ہی تھا کہ فاروق نے اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی اور یہ پہلا وار تھا جو کارگر ثابت ہوا، کیونکہ ابھی دیو قامت پوری طرح اپنا توازن برقرار نہیں کر پایا تھا۔ وہ پہلے تو جھکا، دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر گرنے سے بچنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن اسی وقت فرزانہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری ٹکر دے ماری اور وہ دھڑام سے گر پڑا۔ فاروق کو ایسے میں اور تو کچھ نہ سوجھا۔ اس کی ایک ٹانگ مضبوطی سے تھام لی اور چلایا۔

"فرزانہ، دوسری ٹانگ پر تم قبضہ جماؤ۔ جب ہم اس کی ٹانگیں نہیں چھوڑیں گے، یہ اٹھ نہیں سکے گا۔"

فرزانہ اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ دوسری ٹانگ پکڑ لی۔ دونوں مخالف سمت میں ٹانگوں کو کھینچنے لگے۔ دیو قامت مڑ کے بل اٹھا اور دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔ یہ دیکھ

کر فاروق اور فرزانہ نے چکر کاٹنا شروع کر دیا۔ اب اس کا جسم
ان کے ساتھ ساتھ چکر کاٹ رہا تھا اور وہ ہاتھوں کی مدد سے
خود کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک اس کے ہاتھ ایک
جھاڑی سے ٹکرا گئے، دوسرے ہی لمحے فاروق اور فرزانہ کو زبردست
جھٹکا لگا اور وہ دور جا گرے۔ اب دیو قامت پھر ان کے
سامنے کھڑا تھا۔ دونوں تیزی سے اٹھے، ایک نظر اپنے والد
پر ڈالی۔ اس بھاگ دوڑ میں وہ ان سے تقریباً سو فٹ دور
نکل آئے تھے۔ اچانک دیو قامت نے ان کی طرف چھلانگ
لگائی اور فاروق کوشش کے باوجود اس کی لپیٹ میں آنے سے
نہ بچ سکا۔ اسے ایک زوردار دھکا لگا، وہ اچھلا اور دھپ
سے گرا۔ ساتھ ہی دیو قامت کے پاؤں کی ٹھوکر اس کی پسلیوں
میں لگی۔ اسے یوں لگا، جیسے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہو۔
دوسرے ہی لمحے اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔ اس حالت
میں بھی اس نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن اٹھ نہ سکا۔ اس نے
بے بسی کے عالم میں فرزانہ کی طرف دیکھا۔ فرزانہ اس کی حالت
سے بے خبر نہیں تھی اور دیو قامت کے مقابلے میں تنہا رہ گئی
تھی، پھر بھی تنی کھڑی تھی۔ دیو قامت اب ایک ایک قدم اس
کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی نظریں اس پر جم کر رہ گئی تھیں
[illegible] وہ تیزی سے جھکا [illegible]

بل دبوچ لے۔ لیکن فرزانہ جھکائی دے گئی۔ ساتھ ہی وہ بھی مڑا
اور دونوں ہاتھ بلا کی تیزی سے گھمائے، لیکن فرزانہ اس وقت
تک اس کے ہاتھوں کی پہنچ سے دور ہو چکی تھی، لہٰذا اس کا یہ
وار خالی گیا، تاہم ہاتھی کی طرح جھومتا وہ آگے بڑھا اور ایک
ٹانگ چلائی۔ فرزانہ نے چھلانگ لگائی، ساتھ ہی اس نے بھی
چھلانگ لگا دی۔ اس کی ایک ٹانگ آگے نکلی اور فرزانہ کسی
طرح بھی اس کی لپیٹ میں آنے سے نہ بچ سکی۔ منہ کے بل
گری۔ ساتھ ہی دیو قامت کا پاؤں اس کی کمر پر پڑا اور اسے اپنی
ریڑھ کی ہڈی ٹوٹتی محسوس ہوئی۔

دیو قامت نے فاتحانہ انداز میں دونوں کو دیکھا۔ دونوں
اگرچہ ہوش میں تھے، لیکن اٹھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ یہ
دیکھ کر اس نے ہاتھ اس طرح جھاڑے، جیسے گرد آلود ہو گئے ہوں،
اور پھر ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"اب تم اپنے والد کے کیا کام آ سکو گے۔ لو میں اس
کی طرف چلا۔ پہلے اس کا کام تمام کروں گا اور پھر تم دونوں
کا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ مڑا۔ دونوں نے اٹھنے کی
بڑی کوشش کی، لیکن نہ جانے ان کے جسموں پر کس قسم کی چوٹیں
آئی تھیں کہ اٹھنا ممکن نہ ہوا، تاہم انہوں نے اپنے رخ ضرور پھیر

لیے۔ انہوں نے دیو قامت کو اپنے والد کی طرف جاتے دیکھا، پھر دیو قامت چلتے چلتے ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ انہیں اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔

فاروق اور فرزانہ نے بھی اس منظر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

عجیب سڑک

انہوں نے دیکھا، محمود ان کے والد سے چند قدم دور کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس کا خاص چاقو تھا۔ چاقو کھلا ہوا تھا اور دھوپ کی روشنی میں اس کا ننھا سا پھل چکا چوند پیدا کر رہا تھا۔ دیو قامت اسے دیکھ کر انسپکٹر جمشید کو بھول گیا۔

"ہاں، مجھے راستے میں اچانک یہ احساس ہوا تھا کہ سڑک میں وہ گڑھا مصنوعی تھا۔ ہماری کار کو حادثہ اتفاقی طور پر نہیں، مصنوعی طور پر پیش آیا ہے۔ یعنی اس میں کسی کی کوشش کو دخل ہے۔ یہ خیال آتے ہی اصل سڑک پر مرمت ہونے کا نقشہ ذہن میں گھوم گیا، پھر یہ خیال آیا کہ اس سڑک پر اب تک نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے کوئی گاڑی آتی نظر آئی تھی، جب اصل سڑک بند ہونے کی صورت میں آمدورفت اس سڑک سے ہی ہو سکتی تھی۔ ان خیالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سڑک پر مرمت بھی فرضی ہو رہی تھی۔ یہ سب کچھ ہمیں غلط سڑک پر لانے کے لیے کیا گیا تھا۔ اس نتیجے کے

نکلتے ہی میں واپس پلٹ پڑا اور خدا کا شکر ہے، عین وقت پر لوٹا ہے"
محمود جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"بالکل ٹھیک محمود۔۔۔ جتنے وقت پر تم آج لوٹے ہو، اتنے
وقت پر اس سے پہلے کبھی نہیں لوٹے" فاروق بولا۔۔۔ وہ بولنے
اور ہلنے جلنے کے قابل ضرور تھے، لیکن اٹھا اب بھی نہیں جا رہا تھا۔

"تو تم مجھ سے اس چاقو کے ذریعے مقابلہ کرو گے؟ بھئی
کوئی بڑا چاقو لے کر آئے ہوتے"

"میں اسی سے کام چلایا کرتا ہوں۔ تم اس چاقو کے بارے
میں کچھ نہیں جانتے" محمود نے منہ بنایا۔

"تو پھر آؤ، تم بھی کیا یاد کرو گے" اس نے للکارا۔

محمود چاقو والا ہاتھ بلا کی تیزی سے گھماتا آگے بڑھا۔ اس
نے دیو قامت کے مڑنے کا انداز دیکھ لیا تھا، لہٰذا اس سے ذرا مختلف
انداز میں مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟" دیو قامت گھبرا کر بولا۔

"اسے جوڈو کے ہاتھ کہتے ہیں۔۔۔ پرانے زمانے میں یہ بھی
سپہ گری کا ایک فن تھا، بلکہ بہت مشہور فن تھا" محمود بولا۔

"یہ۔۔۔ یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے تمہارے بازو میں بجلی
بھر دی گئی ہو"

"پھر کیا خیال ہے، ہار مانتے ہو؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں خیر، ہار ماننے والا تو میں نہیں، زمین دیکھ کر ہی ہار
مان سکتا ہوں"

"تو نیچے منہ کر کے زمین دیکھ لو، یہ کیا مشکل ہے" فاروق
جلدی سے بولا۔۔۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اگر محمود بھی اس سے مقابلے میں
بازی نہ لے جا سکا تو کیا ہوگا۔

"ایسا تم کرو" یہ کہہ کر وہ محمود کے گھماتے بازو سے بچنے کی
کوشش میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔۔۔ وہ اندازہ ہی نہیں لگا پایا تھا
محمود کا بازو کس طرف سے کس طرف کا رخ کر رہا ہے۔۔۔ محمود
نے اسے پیچھے ہٹتے دیکھ کر اطمینان محسوس کیا اور اور بھی تیزی سے
ہاتھ چلاتے آگے بڑھا۔ اچانک دیو قامت دھڑام سے گرا اور پڑے
پڑے ٹانگ محمود کی ٹانگوں میں اڑانے کی کوشش کی۔ یہ اس کی
ایک خطرناک چال تھی۔ محمود بروقت ہوشیار ہو گیا اور اچھل کر پیچھے
پیچھے ہٹا، پھر تیزی سے چکر کاٹ کر اس کے سر کی طرف آ گیا۔
اب اس کا ہاتھ اس کے سر پر چکر لگا رہا تھا۔

"مسٹر، جو کچھ بھی تمہارا نام ہے، اب جوں ہی تم نے ہاتھ
سر اوپر اٹھایا، چاقو تمہیں تراش کر رکھ دے گا۔۔۔ اس چاقو کا
نام چاقو سمجھنے کی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا، یہ ہڈیوں کو موم کی طرح
کاٹ دیتا ہے۔ تجربے کے طور پر میں نمونہ دکھاتا ہوں"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دیو قامت کے منہ سے ایک تیز چیخ

نکل گئی۔ فاروق اور فرزانہ نے اس کے دائیں ہاتھ سے خون کا فوارہ
چھوٹتے دیکھا۔ اس کی چار انگلیاں کٹ گئی تھیں۔
"کیا خیال ہے، دوسرا ہاتھ بھی اسی قسم کا بنوانا چاہتے ہو؟"
محمود بولا۔
"نن، نہیں نہیں۔" دیو قامت خوف زدہ آواز میں چلایا۔
"تب پھر اوندھے لیٹ جاؤ۔ دونوں بازو سر سے آگے نکال
کر زمین پر پھیلا دو۔"
اس نے فوراً تعمیل کی۔ اب محمود نے ان کی طرف دیکھا۔
"کیا تم اٹھنے کے قابل نہیں ہو؟"
"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ٹھہرو، ایک کوشش اور کر لیں۔"
فاروق بولا۔
دونوں نے اٹھنے کی بھرپور کوشش کی۔ چوٹوں کا اثر اس
وقت تک کسی حد تک زائل ہو چکا تھا، اس لیے اٹھ بیٹھنے میں
کامیاب ہو گئے۔
"شاید ہم چند منٹ تک کھڑے ہو سکیں۔" فرزانہ بولی۔
"خیر کوئی بات نہیں، چند منٹ بعد ہی سہی — ہاں تو مسٹر،
کیا چکر ہے۔ تم کون ہو؟ ہم سے تمہیں کیا دشمنی ہے — سڑک پر اس
جگہ گڑھا کس طرح ہو گیا — جلدی جلدی ان سب باتوں کی وضاحت
کر ڈالو۔"

"مم، میں ہاں، کیوں نہیں — میں ضرور بتاؤں گا۔ میں نے پہلے
ہی کہا تھا، میری مدد کے لیے یہاں کسی کو ضرور ساتھ ہونا چاہیے،
لیکن انھوں نے میری ایک نہ سنی — اب میں بھی کیوں ان کے
پیچھے ..... لیکن نہیں، اس طرح تو میں مر جاؤں گا — کٹی ہوئی انگلیوں
سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا ہے — پہلے تم میرے ہاتھ پر پٹی
باندھ دو، بازو پر رومال کس دو، تاکہ خون ضائع نہ ہو۔ اس کے
بعد میں تمہیں کھنڈر میں چل کر اطمینان سے بتاؤں گا۔"
"چلو یوں ہی سہی، اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم ہم پر
موقع پا کر جھپٹ نہیں پڑو گے۔"
"ایسے میں کیا جھپٹوں گا اور پھر تم چاقو ہاتھ میں لیے رہنا۔"
اس نے کہا۔
"بات تو ٹھیک ہے۔" فرزانہ بولی۔
"ہاں، لیکن مہربانی فرما کر تم ذرا جلدی ٹھیک ہو جاؤ۔ ابھی ہمیں
ابا جان کے لیے بھی کچھ کرنا ہے۔"
آخر فاروق اور فرزانہ چند منٹ بعد چلنے پھرنے کے قابل
ہو گئے۔ دیو قامت کے ہاتھ پر پٹیاں باندھ دی گئیں۔ اس غرض
کے لیے رومال استعمال کیے گئے۔
"دیو صاحب، اب تم ہمارے والد صاحب کو اٹھا کر کندھے پر
ڈال لو اور اس کھنڈر کی طرف چلو، جہاں تم اطمینان سے ساری بات

بتانا چاہتے ہو۔ ویسے کھنڈر میں تمہارے اور ساتھی تو نہیں ہیں؟"

"نہیں، اگر اور ساتھی ہوتے تو اس وقت تک سامنے آ چکے ہوتے۔" اس نے کہا، پھر انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا اور انہیں اٹھا کر بائیں کندھے پر ڈال لیا اور یہ ننھا سا قافلہ اس طرف چل پڑا، جس طرف فاروق اور فرزانہ کو دھواں اٹھتا دکھائی دیا تھا۔

"فاروق، اس طرف دھواں کیسا تھا؟ تم دھواں دیکھنے گئے تھے"

"ہاں وہاں، چند خشک لکڑیاں اور پتوں کا ڈھیر موجود تھا اور اس ڈھیر میں آگ لگا دی گئی تھی۔ بس اس سے دھواں اٹھ رہا تھا۔"

"یہ تم لوگوں کو الجھانے کے لیے کیا گیا تھا، تاکہ تم دھواں دیکھ کر اسی طرف دوڑ پڑو اور میں انسپکٹر جمشید کا کام تمام کر دوں، لیکن تم میں سے صرف ایک نے کھنڈر کا رخ کیا اور مجھے مقابلہ کرنا پڑ گیا، پھر وہ بھی جلد ہی لوٹ آیا۔"

"تو تم نے یہ سب کچھ کس کے اشارے پر کیا؟"

"میں نے کہا نا، اطمینان سے بتاؤں گا — میرے ہاتھ میں بہت تکلیف ہے۔"

"کیا تمہارا یا ان لوگوں کا پروگرام ہمیں جان سے مار ڈالنے کا تھا؟"

"نہیں، ہم اس حد تک جانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، ہم یہی

مزدوری کر رہا تھا — پروگرام صرف یہ تھا کہ تم لوگوں کو کھنڈر میں ڈال کر خود دو گیارہ ہو جاؤں۔"

"یعنی ان لوگوں کے پاس پہنچ جاؤ؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے — پہلے ہم پوری کہانی سنیں گے، اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔"

جلد ہی انہیں کھنڈر نظر آنے لگا۔ یہ کسی بہت ہی پرانی طرز کی عمارت کا کھنڈر تھا؛ تاہم کچھ دیواریں اور دروازے اب بھی درست حالت میں تھے — مٹی کے ایک ٹیلے پر اب تک آگ سلگ رہی تھی۔

دیو قامت نے انسپکٹر جمشید کو ایک دیوار کے سائے میں لٹا دیا، پھر وہ خود بھی بیٹھ گیا — تینوں اس کے سامنے چوکس انداز میں اکڑوں بیٹھ گئے — محمود کے ہاتھ میں اب بھی کھلا چاقو موجود تھا۔

"ہاں تو انکل دیو، اب فرمائیے، یہ سب کیا چکر ہے؟"

"انکل دیو!" وہ بڑبڑایا — پھر ہنس دیا اور بولا:

"میرا نام شاکا ہے، ماں باپ نے شوکت رکھا تھا، لیکن مجھے کبھی اس نام سے نہیں پکارا گیا — ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے، مجھے کسی نے سہارا نہیں دیا — فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر پل کر بڑا ہوا اور پھر ایک جرائم پیشہ گروہ کے ہتھے چڑھ گیا۔ روزی کے چکر نے ان

کے ساتھ کام کرنے پر مجبور کر دیا اور یہ سلسلہ بھی اسی گروہ نے
چلایا ہے۔"

"کون سا سلسلہ؟"

"گروہ کا ایک باس ہے۔ باس کے بارے میں کسی کو نہیں
معلوم کہ کون ہے۔ ہم لوگوں کو تو بس ہوٹل فردوس کے ایک کمرے
میں جمع ہونا ہوتا ہے، وہیں اس کے احکامات ملتے ہیں۔"

"احکامات کس طرح ملتے ہیں؟" فرزانہ بول اٹھی۔

"کبھی فون کے ذریعے، کبھی تحریر کے ذریعے — تحریر عام طور
پر اس کمرے میں بچھے قالین کے نیچے سے مل جاتی ہے — تنخواہیں
بھی ہمیں اسی قالین کے نیچے سے ملتی ہیں۔ نہ جانے باس کس
وقت اس کمرے میں آ کر پیغام رکھ جاتا ہے یا تنخواہیں رکھ دیتا
ہے — یہ بات آج تک کوئی بھی نہیں جان سکا — چار دن پہلے
پیغام ملا تھا کہ ایک کارکن ہوٹل کے ایک کمرے میں سلامت اللہ
کے نام سے رہائش اختیار کرے، اپنا حلیہ تھوڑا سا تبدیل کرے، پھر
اسے ہدایت ملی کہ کمرہ چھوڑ کر چلا جائے اور میک اپ ختم کر دے
ہم اس عجیب و غریب حکم پر حیران ہو رہے تھے کہ دو دن بعد ایک
اور حکم ملا۔ سڑک مرمت کرنے والوں کے بھیس میں دارالحکومت جانے
والی سڑک پر پہنچ جائیں اور ایک جگہ مرمت کا کام شروع کر دیں
کنارے پر 'سڑک برائے مرمت بند ہے' کا بورڈ رکھ دیں۔ اس وقت

آپ لوگ آ چکے تھے — آپ کے بارے میں ہدایات دی گئیں کہ جب
آپ لوگ سڑک پر پہنچیں، آپ کو بتا دیا جائے کہ سڑک بند ہے۔
دوسری سڑک سے جائیں — ادھر مجھے ایک روز پہلے یہ ہدایت مل چکی
تھی کہ میں دوسری سڑک پر دو سویں کلو میٹر پر پہنچ جاؤں — وہاں
جنگل میں ایک کھنڈر ہے۔ اس کھنڈر کی سیدھ میں سڑک ایک جگہ
سے بہت اونچی ہے۔ اونچائی کے فوراً بعد پھاوڑے کی مدد سے سڑک
میں گہرا گڑھا بنا دوں اور آپ لوگوں کو اس جگہ سے آگے ہرگز نہ
جانے دوں — آپ لوگوں کو بے ہوش کر کے جیپ بے کار کر کے
واپس لوٹ جاؤں۔ جیپ تو حادثے میں خود ہی بے کار ہو گئی ہے۔
آپ لوگوں کے والد بھی بے ہوش ہو گئے ہیں۔ بس آپ لوگوں کا معاملہ
رہ گیا تھا، لیکن میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"سوال یہ ہے کہ باس نے یہ سارا چکر کیوں چلایا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے کہا۔

"اس کام کے علاوہ تم لوگوں کو باس کی طرف سے اور کس
قسم کی ہدایات ملتی ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"عجیب و غریب قسم کی — کبھی ہمیں فائلیں اور کاغذات ادھر
ادھر پہنچانے ہوتے ہیں، کبھی دوسری چیزیں۔"

"فائلیں اور کاغذات عام طور پر کہاں پہنچائے جاتے ہیں اور
تم لوگوں کو ملتے کس طرح ہیں؟"

"اس کمرے کے قالین کے نیچے ہے — عام طور پر ساحل سمن
یا ہوائی اڈے پر پہنچانا ہوتے ہیں۔ وہاں سیاہ گلاب کا لڑوں میں
جو لوگ موجود ہوں، انہیں دے دیے جاتے ہیں۔"

"یہ تو کوئی لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اور تم لوگوں کو کسی بات کا بھی مقصد معلوم نہیں ہوتا"
محمود نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔"

"خیر، ہم لوگوں کو بے ہوش کرنے کے بعد تم کس طرح واپس
جاتے؟" فاروق نے پوچھا۔

"چند کلو میٹر پیدل جاتا، پھر میرے ساتھیوں کی کار کھڑی ملتی
اس میں بیٹھ کر گاٹیا وادی پہنچ جاتا۔"

"کار میں وہاں کتنے آدمی موجود ہوں گے؟"

"دو۔" اس نے کہا۔

"اب ہم کیا کریں؟" محمود نے فاروق اور فرزانہ کی طرف دیکھا۔

"ابا جان کو ہسپتال پہنچانا بہت ضروری ہے، ان کے شاید دماغ
پر چوٹ آئی ہے اور یہ کام ہم صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں،
جب ہم اس کار پر قبضہ کر لیں۔"

"یہ تم لوگوں کے لیے اور بھی خطرناک ہوگا۔" شاکا نے کہا۔

"وہ کیسے؟" محمود نے چونک کر پوچھا۔

"جب کار مجھے لے کر گاٹیا وادی نہیں پہنچے گی تو باس کچھ لوگوں
کو دوسری گاڑی میں اس سڑک پر بھیج دے گا اور اس صورت میں
تم لوگوں کو ان سے بھی نبٹنا ہوگا۔"

"پھر ہم کیا کریں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں بے بس ہوں۔ تم جو کہو گے، کروں
گا۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تمہاری بجائے کار تک ہم جائیں گے اور کار حاصل
کرنے کی کوشش کریں گے، کیوں کہ اس کے بغیر ہمارا کام نہیں چلے
گا۔ اس سڑک پر کسی بھی طرف سے کوئی گاڑی نہیں گزرے گی۔"

"جیسے تم لوگوں کی مرضی — میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس نے
کندھے اچکائے۔

"میں اور فاروق کار حاصل کرنے جائیں گے۔ فرزانہ تم یہاں
ٹھہر کر شاکا کی نگرانی کرو گی۔ امید تو نہیں کہ یہ کوئی شرارت کرے،
لیکن اگر یہ ایسی کوئی کوشش کرے تو تم اس سے نبٹ رہی ہو
گی۔"

"لیکن کس طرح، میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اپنا چاقو
مجھے دے جاؤ۔" فرزانہ بولی۔

"چاقو، وحشت تیرے کی — چاقو کے ہوتے ہوئے بھی ان کی جیب
کیا کہی؟" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا اور چاقو اسے دیکھ دیا۔

کی طرف دیکھا۔ فاروق اور فرزانہ شاکا کے دائیں بائیں کھڑے رہے۔

"بھئی میری طرف سے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس شکست کے بعد باس مجھے اپنے گروہ میں نہیں رکھے گا اور گروہ میں نہ رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں کسی بھی کام کا نہیں رہ جاؤں گا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کسی بھی کام کے نہیں رہ جاؤ گے، کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اس دوران محمود درخت کی تین موٹی موٹی شاخیں کاٹ کر انہیں صاف کرتا رہا تھا، پھر ایک ایک انہیں دیتے ہوئے بولا:

"یہ لو، یہ رہے ہتھیار۔ ان حالات میں میں تمہارے لیے بہتر ہتھیار مہیا نہیں کر سکتا۔"

"شکریہ محمود۔ یہ بھی بہت ہیں۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اب تو تم شاکا کو قابو میں رکھ سکو گی۔"

"کیوں نہیں۔" اس نے کہا۔

"ویسے بھی شاکا بھائی اب ہم سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، کیوں ٹھیک ہے نا۔" محمود نے اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل ٹھیک۔ تم دونوں بے فکر ہو کر جاؤ۔ جب کار لے کر واپس لوٹو گے تو حالات جوں کے توں پاؤ گے۔ میں کوئی غلط قدم

اٹھانے کا ارادہ نہیں رکھتا، لیکن اتنا کہے دیتا ہوں، ان دونوں کو اس قابل ہرگز نہ چھوڑنا کہ وہ یہاں تک پہنچ سکیں۔ اس صورت میں تمہارے شہر کی طرف جانے کے بعد تمہاری بہن اور میں مشکلات میں گھر سکتے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو۔ اچھا فرزانہ! خدا حافظ، پوری طرح ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے، جاؤ۔ خدا حافظ۔"

دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے سڑک کی طرف چلنے لگے۔ فرزانہ اور شاکا انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

"یار فاروق، یہ ہم کن حالات میں گھر گئے۔" محمود بولا۔

"سازشی حالات میں۔" فاروق نے جواب دیا۔

"اگر ہم کار حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو کیا ہوگا؟"

"وہی ہوگا جو خدا کو منظور ہوگا۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"آخر اس گروہ کا باس چاہتا کیا ہے؟"

"ہمیں پریشان کرنا، کیونکہ اس کا پروگرام صرف یہ تھا کہ شاکا ہمیں بے ہوش کر کے کھنڈر میں ڈال جاتا اور بس۔ اس سے بس یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیں پریشان کرنا چاہتا ہے۔"

"اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہو سکتی ہے۔" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں، یہ ایک اور بات شاید تمہارے ہی ذہن میں آتی ہے۔ میرے ذہن سے تو اسے خدا واسطے کا بیر ہے۔"

"کیا اوٹ پٹانگ بات کر رہے ہو۔"

"پپ۔ پتا نہیں ——— ویسے وہ ایک اور بات کیا ہے؟"

"یہ کہ گروہ کا باس ہمیں دارالحکومت سے دُور رکھنا چاہتا ہے۔"

"اوہ ہاں ——— یہ بات تو واقعی ہو سکتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیوں؟"

"اس سے پوچھ کر بتاؤں گا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے، جو بھی پوچھو، بتا دینا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

دونوں تقریباً دو کلومیٹر تک چلتے رہے۔ وہ سڑک سے اتر کر چل رہے تھے، تاکہ انہیں دور سے دیکھ نہ لیا جائے۔ اچانک انہیں دُور سڑک کے کنارے ایک دھبا سا دکھائی دیا۔

"کیا خیال ہے، کیا یہ کار ہے؟"

"فی الحال تو یہ ایک دھبا ہے۔ آگے چل کر کار میں بدل جائے تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔" فاروق بولا۔

"تم کسی بات کا سیدھی طرح بھی جواب دے سکتے ہو؟" محمود جھلا اٹھا۔

"ہاں، کتنی ہی باتوں کا جواب سیدھی طرح بھی دے سکتا ہوں۔"

"ابا جان بے ہوش پڑے ہیں اور تم پر مذاق سوار ہے، یہ بات

کچھ جچتی نہیں۔" محمود بولا۔

"اوہ۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

اب کار انہیں قدرے صاف دکھائی دینے لگی۔ وہ سڑک سے اور ہٹ کر چلنے لگے ——— نیچے اترتے ہی کار پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ پانچ منٹ بعد وہ درختوں کی اوٹ لے کر سڑک کنارے پہنچے۔ انہوں نے دیکھا، کار ان کی نظروں کے سامنے تھی اگلے حصے میں دو آدمی بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

"اب انہیں باہر کس طرح نکالیں؟" محمود بڑبڑایا۔

"جس طرح سانپ کو اس کے بل میں سے نکالا جاتا ہے۔" فاروق بولا۔

"اور اس کا کیا طریقہ ہے؟" محمود نے اسے گھورا۔

"بل میں پانی بھر دو، سانپ باہر نکل آئے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن ہم کار میں پانی کس طرح بھریں، یہاں پانی ہے بھی کہاں؟" محمود نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"پانی کا کام یہاں کنکر اور پتھر سے لیا جا سکتا ہے۔" یہ کہہ کر فاروق نے ایک چھوٹا سا کنکر اٹھایا اور کار کی طرف اچھال دیا۔

"ارے ارے، یہ کیا کر رہے ہو؟" محمود نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں سرگوشی کی۔

"اب تو میں کر بھی چکا ——— اب کیا پوچھ رہے ہو۔" فاروق بولا۔

اس کا اچھالا ہوا کنکر کار کے شیشے سے ٹکرایا تھا۔ اونگھتے ہوئے
دونوں آدمی چونک اٹھے، پھر ان میں سے ایک کی آواز گونجی:
"شاکا کیا تم آگئے۔ بھئی بہت دیر لگا دی۔"
"ارے، لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" دوسرے نے حیران
ہو کر کہا۔
"تو پھر کار سے کیا چیز ٹکرائی تھی؟"
اتنے میں فاروق دوسرا کنکر اچھال چکا تھا۔
"اوہو، یہ کیا۔ کیا شاکا چھپ کر شرارت کر رہا ہے۔ ٹھہرو
میں دیکھتا ہوں اسے۔" ان میں سے ایک نے کہا اور پھر وہ کار
سے اترتا دکھائی دیا۔ دوسرا بدستور بیٹھا رہا۔ پہلا تیر کی طرح ان
کی طرف آیا۔
"شاکا، یہ غلط بات ہے۔ ہم یہاں کام کرنے......"
اس کے الفاظ کا گلا گھٹ کر رہ گیا۔ اسی وقت محمود اور
فاروق کے ہاتھ حرکت میں آگئے تھے۔ دونوں شاخیں تڑاتڑ اس
کے سر پر لگیں اور وہ چیخ مار کر گرا۔ اس کی چیخ نے اس کے ساتھی
کو گڑبڑا دیا۔ وہ کار میں سے ہی چلا کر بولا:
"کیا ہوا روفے؟" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ باہر نکل
آیا اور بلند آواز میں بولا:
"شاکے، تمھاری شرارتیں کرنے کی عادت نہیں گئی ابھی۔ اس

ہماری واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے وہ
بھی اسی درخت کی طرف بڑھا، جس کے پیچھے وہ چھپے ہوئے تھے
اور ان کے قریب ہی روفا لمبا لیٹا تھا۔ اچانک درخت کی
حدود سے نکلے، اس کے سر پر دوسرے کی نظر پڑ گئی۔
"روفے، تمھیں کیا ہوا؟"
اور ساتھ ہی اس کے قدم پیچھے ہٹنے لگے۔ یا تو وہ آگے
بڑھ رہا تھا، یا کار کی طرف ہٹنے لگا۔ محمود اور فاروق کو خوف محسوس
ہوا کہ کہیں وہ کار میں بیٹھ کر فرار نہ ہو جائے۔ اس صورت میں ان
کی ساری محنت دھری کی دھری رہ جاتی، یا پھر وہ کار میں سے
کوئی ہتھیار نکالنے کی غرض سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ان کے لیے
دونوں ہی باتیں خطرناک تھیں، لہٰذا محمود پکار اٹھا:
"اپنے ساتھی کو تو لے جائیے جناب، اکیلے ہی جا رہے ہیں۔"
ایک لڑکے کی آواز سن کر وہ چونک کر مڑا اور پھر اس
کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے اپنے سامنے دو لڑکے
کھڑے دیکھے، لیکن ان کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔
ہتھیار تو انھوں نے درخت کے ساتھ لگا کر کھڑے کر دیے تھے تاکہ
وہ ان کی طرف آنے میں کوئی خطرہ محسوس نہ کرے اور ہوا بھی
یہی۔ وہ بھی ان کی طرف بڑھا اور بولا:
"تم نے میرے ساتھی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

"آپ نزدیک تو تشریف لائیے، وہی سلوک ہم آپ کے ساتھ بھی کرنے کے لیے تیار ہیں۔" فاروق بولا۔

"خبردار، میں تم لوگوں کی چٹنی بنا دوں گا، ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ محمود اور فاروق ٹھٹک گئے۔ پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں، بھئی اب کیا کریں؟

"تم نے روفے کے ساتھ کیا کیا؟"

"بس ذرا درخت کی دو شاخیں اس کے سر سے ٹکرا دی تھیں اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ گر ہی پڑے گا۔ آپ کو اس قدر جلد گر پڑنے والے ساتھی کو اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہیے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا بک رہے ہو تم، روفا بہت دلیر آدمی ہے۔"

"ہاں، اس میں تو کوئی شک نہیں، اگر دلیر نہ ہوتا تو کار سے نکل کر بے خوف و خطر درخت تک نہ آ جاتا۔ اس کا مطلب ہے آپ اس کے مقابلے میں ذرا دلیر نہیں ہیں۔ یا کم دلیر ہوں گے۔" فاروق نے کہا۔

"ٹھہرو، ابھی بتاتا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے فائر جھونک مارا۔ دونوں یک دم درخت کی اوٹ میں ہو گئے اور پھر

پیٹ کے بل رینگ کر دوسرے درخت کی طرف چلے گئے۔ اسی وقت دوسرا فائر ہوا۔ روفے کا ساتھی اندھا دھند فائر کر رہا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی انہوں نے چکر کاٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سڑک پر پہنچ گئے۔ چابی کار میں ہی لگی ہوئی تھی۔ روفے کا ساتھی ابھی تک بے وقوفانہ انداز میں فائر کر رہا تھا۔ دونوں کار کے نزدیک پہنچ کر جھکے اور اندر داخل ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے کار سٹارٹ کر دی۔

"ارے ارے!" روفے کے ساتھی کے منہ سے نکلا۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے اسے دوڑ کر سڑک کی طرف آتے دیکھا، لیکن وہ بھلا کہاں رکنے والے تھے۔ محمود نے عقل مندی یہ کی کہ کار کو بیک گیئر میں ڈال دیا اور اب کار الٹی چل رہی تھی۔ روفے کا ساتھی کار کی طرف دوڑ رہا تھا؛ تاہم اس نے ان پر فائر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اس لیے کہ اس طرح کار تباہ ہو سکتی تھی۔ درمیانی فاصلہ بڑھتا چلا گیا اور پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"بس، اب کار موڑ لو۔"

محمود نے تیزی سے کار موڑی اور آگے چلا۔

"کھنڈر صرف دو کلومیٹر دور ہے۔ یہ شخص بھاگتا ہوا وہاں تک ضرور آئے گا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو، اتنی دیر میں ہم ابا جان کو کار میں ڈال کر رفت

ہو چلیں گے۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

دو منٹ بعد وہ کھنڈر تک پہنچ چکے تھے۔ شاکا اور فرزانہ پہلے ہی کار کو آتے دیکھ کر تیار کھڑے تھے۔

"شاکے ہمارے والد صاحب کو کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دو۔"

"اچھا۔" اس نے کہا اور انسپکٹر جمشید کو اٹھا لایا۔

"سوال یہ ہے کہ شاکے کو کہاں بٹھایا جائے؟"

"میں دونوں سیٹوں میں درمیان والی جگہ میں بیٹھ جاؤں گا۔ میری فکر نہ کریں۔"

"ارے، لیکن ہم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں، تم ہمارے ساتھ چلنا چاہتے بھی ہو یا نہیں۔"

"میں کہہ چکا ہوں شکست کے بعد میں گروہ میں واپس نہیں جا سکتا۔"

"تو پھر جلدی کرو، کہیں روفے کا ساتھی یہاں نہ پہنچ جائے۔ اس کے پاس پستول ہے اور وہ اندھا دھند فائرنگ شروع کر دے گا۔"

"اور روفا؟" شاکے نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"اس کے سر کو ہم نے ٹھوکر ماری تھی۔ بے چارہ بے ہوش پڑا ہے۔"

"اسے بے چارہ نہ کہو۔ میں اس شخص کی بدولت اس گروہ

میں شامل ہوا تھا۔ اسی نے مجھے لالچ دلایا تھا۔"

ان کے بیٹھتے ہی محمود کار سڑک کی طرف لے چلا۔ عین اسی وقت دوسری طرف سے روفے کا ساتھی آتا نظر آیا۔ وہ سڑک پر سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ محمود نے یک دم رفتار بڑھا دی، کیوں کہ بری طرح ناکام ہونے کی صورت میں روفے کا ساتھی فائر بھی کر سکتا تھا اور اس نے کیا بھی یہی، جب کار کو پہنچ سے دور ہوتے دیکھا تو اندھا دھند گولی چلا دی، لیکن گولی کار کے دائیں طرف چند انچ کے فاصلے پر نکل گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسرا فائر کر سکتا، محمود نے کار پوری رفتار پر چھوڑ دی۔ آن کی آن میں روفے کا ساتھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"خدا کا شکر ہے، ہم اس منحوس جگہ سے نکلنے میں تو کامیاب ہوئے۔"

"لیکن ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا — باس کے پروگرام بہت باقاعدہ ہوتے ہیں۔ وہ پہلے ہر پہلو سے معاملے کا پوری طرح جائزہ لیتا ہے اور پھر اس پر عمل شروع کرتا ہے۔ اس نے اس امکان کا بھی جائزہ لیا ہوگا کہ اگر میں ناکام ہو گیا اور تم لوگ اس کار تک پہنچ گئے، بلکہ کار حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تو کیا ہوگا۔" شاکا نے جلدی جلدی کہا۔

"مسٹر شاکے، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" محمود نے فکرمندانہ لہجے

یوں کہا۔

"یہ کر۔۔ ہو سکتا ہے، اس نے راستے میں کوئی اور رکاوٹ بھی کھڑی کر رکھی ہو۔"

"ہوں خیر، دیکھا جائے گا۔۔ ہم اس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہم واپس گاٹیا وادی بھی تو جا سکتے ہیں۔۔ وہاں سے ہم اصل سڑک کے ذریعے دارالحکومت پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن اس طرح تین گھنٹے اور ضائع ہوں گے اور ہم پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکے ہیں۔ معلوم نہیں، آذجان کس حالت میں ہیں۔" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"اچھا، جیسے آپ کی مرضی۔" شاکے نے کندھے اچکائے۔

کار چلتی رہی۔ اچانک ایک فائر ہوا اور گولی کار کا شیشہ توڑتی شاکے کی پیشانی میں گھس گئی۔۔ اس کے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور محمود نے پورے بریک لگائے۔۔ اس نے بہت ہوشیاری کا ثبوت دیا تھا، لیکن کار ایک درخت سے ٹکرا گئی۔۔ گولی اگلی طرف سے آئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن کار سے آگے کہیں موجود تھا اور وہ دوسرا فائر کر سکتا تھا۔۔ وہ شدید خطرے میں تھے۔

انہوں نے شاکے پر ایک نظر ڈالی۔۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔

اور اس کے خون سے رنگین ہو چکی تھی۔

"یوں کام نہیں چلے گا۔۔ ہمیں شاکے کو کار میں سے نکالنا ہو گا اور خود پوزیشن لینا ہو گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"شاکے کو کار سے نکالنے کے چکر میں ہم خود دشمن کی گولی کا نشانہ بن سکتے ہیں، اب ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ پچھلی سیٹ پر لیٹے ہونے کی وجہ سے آذجان محفوظ ہیں۔ بس صرف ہمیں اپنا بچاؤ کرنا ہے اور ہم کار کی اوٹ لے سکتے ہیں۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا۔۔ جلدی جلدی کار سے نکل آئے اور اس کی اوٹ میں ہو گئے۔ انہیں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ دشمن کہاں موجود ہے۔۔ اتنا ضرور تھا کہ وہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا اگر دیکھنے کے قابل نہ ہوتا تو اتنی مہارت سے کار کا نشانہ نہیں لے سکتا تھا۔

تینوں بغور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے، تاکہ دشمن کی جھلک دکھائی دے سکے اور انہیں معلوم ہو سکے کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے۔۔ انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہیں۔

"آخر ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

پھر انھوں نے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنیں۔ آوازیں دو آدمیوں کی تھیں۔

"کیا خیال ہے' ہم اس کا پیچھا کریں؟" فرزانہ بولی۔

"ان کے پاس پستول ہیں۔۔۔ ہم نقصان اٹھا سکتے ہیں"، محمود نے کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے" فاروق بڑبڑایا۔

اور قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔۔۔ یہاں تک کہ ختم ہو گئی۔۔۔ اچانک کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور پھر یہ آواز بھی آہستہ ہوتے ہوتے ختم ہو گئی۔۔۔ انھوں نے اٹھ کر شاکا کو دیکھا وہ ختم ہو چکا تھا۔۔۔ چند لمحوں تک خالی خالی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔۔۔ کار بھی اب استعمال کے قابل نہیں رہ گئی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا' اب ہم کار کے ذریعے شہر نہیں جا سکتے"۔

"ہاں' اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم صرف پیدل چلتے ہوئے شہر تک جا سکتے ہیں اور شہر یہاں سے دو سو کلومیٹر دور ہے" فرزانہ بولی۔

"اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ میں اور فرزانہ پیچھے کی طرف

یہاں ٹھہریں گے اور محمود اکیلا جائے گا اور جا کر مدد لائے گا"

"دو سو کلومیٹر پیدل" محمود بڑبڑایا' یوں جیسے خواب میں بول رہا ہو۔۔۔ اور پھر مشینی انداز میں اس کے قدم اٹھنے لگے۔

کار والا

فاروق اور فرزانہ نے مل کر انسپکٹر جمشید کو باہر نکالا اور ایک درخت کے نیچے صاف کی ہوئی جگہ پر لٹا دیا۔ اسی وقت ان کے منہ سے ایک کراہ نکلی اور انھوں نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے تک خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھتے رہے، پھر بولے :

"ہم کہاں ہیں ؟"

"جی جنگل میں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"اور ، اور محمود ؟" وہ بولے۔

"محمود شہر گیا ہے ، تاکہ مدد لا سکے۔"

"مدد کس لیے ؟"

"کار بے کار ہو چکی ہے اور ہم شہر سے ابھی دو سو کلومیٹر دور ہیں۔ اگر آپ ٹھیک ہوتے تو ہم چاروں ہی پیدل مارچ کر سکتے تھے۔"

"مجھے کیا ہوا ، ٹھیک تو ہوں۔" وہ بولے۔

"ہمارا خیال تھا — آپ کے دماغ پر چوٹ آئی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن میں خود کو بالکل ٹھیک محسوس کر رہا ہوں۔ محمود کو گئے کتنی دیر ہو گئی ہے ؟"

"آدھ گھنٹا تو ہو ہی گیا ہو گا۔"

"تو پھر آؤ ، ہم بھی شہر چلیں — ہم کب تک یہاں مدد کے آنے کا انتظار کرتے رہیں گے۔"

"ابا جان ، آپ کو حالات کا علم نہیں — پہلے حالات سُن لیجیے ، اس کے بعد آپ جو فیصلہ کریں گے ، ہم اس پر عمل کریں گے۔"

"حالات ، کیسے حالات — مجھے تو اتنا یاد ہے کہ کار کھڈ میں جا گری تھی۔"

"اس کے بعد کے حالات انتہائی عجیب ہیں۔"

"تو پھر جلدی جلدی سناؤ۔" انھوں نے بے چین ہو کر کہا۔

فاروق نے پوری بات تفصیل سے سنا دی۔ انسپکٹر جمشید اس وقت تک بیٹھے رہے تھے۔ اب تیزی سے اٹھے اور کار تک گئے، انھوں نے شاہ کو نظر بھر کر دیکھا ، پھر بولے :

"ٹھیک ہے ، ہم یہاں محمود کا انتظار نہیں کر سکتے — پیدل ہی چل پڑنا چاہیے۔"

"کیا آپ پیدل سفر کر سکیں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے بہت جدوجہد کرنا پڑی، لیکن زندہ قوموں کو جدوجہد تو کرنا ہی پڑتی ہے۔"

"جی ہاں ابا جان، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں بھی پیدل شہر کی طرف چلے جا رہے تھے۔ شاکا کی لاش انہوں نے جوں کی توں کار میں چھوڑ دی تھی۔

"آپ کے خیال میں اس گروہ کا باس کیا چاہتا ہے ابا جان؟"

"اصل بات کا علم شہر جا کر ہو گا، لیکن بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ وہ ہمیں دارالحکومت سے دور رکھنے کا خواہش مند ہے، وہ چاہتا تو شاکا کے ساتھ ہمیں بھی ختم کر دیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، گویا اسے ہم سے جو خطرہ تھا، اب اس کے خیال میں وہ نہیں رہا تھا، ہم چوبیس گھنٹے سے پہلے شہر نہیں پہنچ سکیں گے، گویا دارالحکومت میں جو کچھ بھی ہونا ہے، ان چوبیس گھنٹوں میں ہو جاتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"اور ہم کسی طرح بھی شہر تک جلد نہیں پہنچ سکتے۔"

"اس کی صرف ایک صورت ہے۔ یہ کہ پیچھے سے کوئی کار آ جائے، اس میں صرف ایک آدمی بیٹھا ہو اور وہ ہمیں لفٹ دے دے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن اس سڑک سے بھلا کوئی کیوں آنے لگا۔ یہ تو بند—"

فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم بھی تو آ گئے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہماری اور بات ہے، ہم تو سازش کا شکار ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔ وہ زیادہ تیز نہیں چل رہے تھے۔ لمبے سفر میں زیادہ تیز چلنا غلط ہے۔ آدمی جلد تھک جاتا ہے۔ چار گھنٹے بعد اچانک پیچھے سے کسی گاڑی کی روشنیاں نظر آئیں۔

"ارے، کوئی گاڑی آ رہی ہے۔"

"خدا رحم فرمائے، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے گروہ کے باس نے اس سڑک کے چپے چپے پر جال بچھا رکھا ہے۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"تو کیا تمہارے خیال میں یہ کار بھی جال کا حصہ ہے؟" فاروق نے چونک کر پوچھا۔

"کم از کم میں تو یہی سمجھتی ہوں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ ہم اس کار سے فائدہ ضرور اٹھائیں گے۔"

اتنے میں کار نزدیک آ گئی اور انہوں نے ایک ساتھ ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ انہوں نے دیکھا، کار میں صرف ایک آدمی تھا۔ اس نے کار ان کے نزدیک روک لی اور سر باہر نکالتے ہوئے بولا۔

"خیر تو ہے، آپ لوگ اس سنسان سڑک پر پیدل چلے جا رہے ہیں۔" انہوں نے دیکھا، وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا، دبلا اور کمزور سا۔

"تو کیا جناب، اس سنسان سڑک پر پیدل نہیں چلا جا سکتا۔"
فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اگر آپ شوقیہ پیدل چل رہے ہیں تو اور بات ہے، لیکن میں نے اس سڑک پر ایک کار کو درخت سے ٹکرایا ہوا دیکھا ہے۔ اس میں ایک لاش بھی ہے۔ کہیں اس کار میں آپ لوگ ہی تو نہیں تھے اور مرنے والا آپ کا ساتھی ہی تو نہیں تھا۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر آئیے، میں آپ کو شہر پہنچا دوں۔" اس نے کہا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید نے اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی تعریف؟"

"میں دلبر شریف ہوں۔ گلمیا وادی میں سیر کی غرض سے آیا تھا، آج واپس جا رہا ہوں۔" اس نے تعارف کرایا۔

"لیکن آپ اس سڑک سے کیوں جا رہے ہیں؟"

"تین گھنٹے پہلے میں واپسی کے لیے روانہ ہوا تھا۔ لیکن اصل سڑک پر مزدور کام کرتے دکھائی دیے۔ اوہو، مجھے یاد آیا، آپ بھی تو اس وقت مزدوروں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے، لیکن اس وقت آپ کے پاس وہ کار تو نہیں تھی جو میں نے درخت سے لگی دیکھی ہے۔"

"ہاں، وہ جیپ تھی، کیا آپ نے سڑک کی اونچائی کے پاس ایک جیپ کھڈے میں پھنسی نہیں دیکھی؟"

"نہیں، سڑک تو بالکل صاف تھی۔ ہاں اونچائی سے اترتے ہوئے ایک گڑھا ضرور نظر پڑا تھا، لیکن وہ اینٹوں اور پتھروں سے بھرا ہوا تھا۔"

"اوہ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیپ وہاں سے ہٹا کر گڑھا پُر کر دیا گیا اور اب درخت والی کار بھی ہٹا لی جائے گی، لیکن حیرت ہے، انھوں نے آپ کو اس سڑک پر سفر کس طرح کرنے دیا۔" انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اوہ ہاں، آپ بھلا کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم، ہم کن حالات کا شکار ہیں۔ خیر آپ کو تفصیل بتا دیں گے، آپ فکر نہ کریں۔"

دلبر شریف نے ان کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ ایک گھنٹے تک ان کا سفر جاری رہا۔ اچانک سامنے سے ایک کار آتی دکھائی دی۔

"اوہو، شاید محمود مدد لے کر آ گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"کیا مطلب؟" کار والا چونک کر بولا۔

"ذرا آہستہ کریں بھئی، میرا لڑکا شہر سے مدد لینے گیا ہوا تھا۔
امید ہے، یہ وہی ہو گا۔"

"اوہ اچھا۔"

سامنے سے ایک وین آتی دکھائی دی۔ وین کے پیچھے ایک کار بھی تھی۔

"اب تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں، محمود مدد لے آیا ہے۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، بالکل یہی بات ہے۔"

وین اور کار ان کے نزدیک آ کر رک گئیں۔ ادھر دلبر شریف نے کار روک لی۔

"آپ لوگوں میں سے انسپکٹر جمشید کون ہیں؟"

"میں ہوں۔" انسپکٹر جمشید کار سے باہر نکل آئے۔

"آپ کا بیٹا ہمیں زخمی حالت میں سڑک کے کنارے ملا ہے وہ اس وقت ہوش میں تھا، اس نے بتایا تھا کہ آپ اس سڑک پر چلے آ رہے ہیں۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے اور تیزی سے آگے بڑھے۔

"کہاں ہے وہ؟"

"وین کی پچھلی سیٹ پر لیٹا ہوا ہے۔"

انسپکٹر جمشید وین کی طرف لپکے۔ وین میں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک آدمی بیٹھا تھا اور دوسرا اس کے ساتھ تھا۔ ایک آدمی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ انہوں نے وین کا دروازہ کھولا اور اندر نظر ڈالی۔ محمود واقعی پچھلی سیٹ پر موجود تھا، لیکن اس کے ساتھ درمیانی سیٹ پر ایک اور بے ہوش آدمی لیٹا ہوا تھا۔ اس کے سر پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"یہ دوسرا کون ہے؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"معلوم نہیں، یہ بھی اس کے ساتھ بے ہوش ملا تھا۔"

"حیرت ہے۔"

لیکن دوسرے ہی لمحے ان کی حیرت پر لگا کر اڑ گئی۔ اسی دوران فاروق اور فرزانہ بھی کار سے اتر کر ان کے نزدیک آ گئے تھے۔ تینوں کے سروں پر بیک وقت وزنی اور سخت چیزیں زور سے لگیں۔ ساتھ ہی انہوں نے دلبر شریف کی چیخ سنی۔

"ارے بھئی، یہ کیا کر رہے ہو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ذہن بجھتے چلے گئے۔ ہوش آیا تو وین میں بندھے پڑے تھے۔ وین چل رہی تھی۔ چند لمحے تک خاموش رہے، پھر فاروق سے رہا نہ گیا، بول اٹھا:

"حضرات، ہم ہوش میں آ گئے ہیں۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"بس چپ چاپ لیٹے رہو۔" آواز آئی۔

"ہمارے ساتھ ایک صاحب دلبر شریف تھے، ان کا کیا بنا؟" فاروق بولا۔

"ہم نے انہیں جانے دیا، کیونکہ ہمیں ان سے کوئی غرض نہیں تھی۔۔۔ اس پورے پروگرام میں بس یہی ایک غلط بات ہوئی ہے کہ کوئی اور بھی اس سڑک پر سفر کر بیٹھا۔۔۔ خیر، وہ حضرت اگر عقل مند ہوئے تو کسی سے کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم نے انہیں یہی دھمکی دی ہے، لیکن اگر انہوں نے پولیس کو کچھ بتانے کی کوشش کی بھی اور پولیس اس سڑک پر آئی، تو بھی کچھ معلوم نہیں کر سکے گی۔۔۔ ہم جلد ہی اس سڑک کو چھوڑ دیں گے اور جنگل میں سے سفر کرتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچیں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم لوگ جو چاہتے تھے، وہ ہو چکا ہے، اب تو ہم کچھ بھی نہیں چاہتے۔"

"تب پھر ہمیں کیوں باندھ رکھا ہے۔ ہمیں اپنا راستہ ناپنے دو۔ تم اپنا راستہ لو۔"

"پروگرام کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ہمارے راستے ایک ہو گئے ہیں۔" آواز آئی۔

"کاش، اعمال کے لحاظ سے بھی ہم ایک ہوتے اور نیتوں کے لحاظ

سے بھی، کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔۔۔ ویسے یہ بے ہودہ قسم کا پروگرام ترتیب کس نے دیا ہے؟" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"ارے، تم اسے بے ہودہ کہہ رہے ہو؛ حالانکہ اس پروگرام کی تو جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔"

"میں نے پوچھا تھا، اسے ترتیب کس نے دیا ہے؟"

"باس نے۔" وہ بولا۔

"اور تمہارے باس کا نام کیا ہے؟"

"پپ، پتا نہیں۔۔۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔"

"تمہارے باس سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہ اس کی مرضی کی بات ہے، تم سے ملنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ ہم نے تو کبھی اسے دیکھا نہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وین سڑک سے اتر گئی۔۔۔ کار بدستور وین کے پیچھے آ رہی تھی۔۔۔ وہ چونکہ بندھے پڑے تھے، اس لیے کار کو دیکھ تو نہیں سکتے تھے، اس کی آواز ضرور سن رہے تھے۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"گروہ کے ٹھکانے پر۔" جواب ملا۔

"بھئی، کیوں دماغ خراب کر رہے ہو، یہ لوگ کچھ نہیں بتائیں گے

اور بتائیں بھی کیا، جب کہ انہیں کچھ معلوم ہی نہیں۔" محمود جھنجھلا کر بولا۔
"لیکن تم ان کے ہتھے کس طرح چڑھ گئے تھے۔ تم تو مدد لینے شہر کی طرف سفر کر رہے تھے۔" فرزانہ جھنجھلا کر بولی۔
"بس گاڑیوں کو دیکھ کر رکنے کا اشارہ کر بیٹھا۔" اس نے کہا۔
"تمہاری یہی عادت خراب ہے۔ گاڑیوں کو دیکھ کر رکنے کا اشارہ کر بیٹھتے ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"کیا کہہ رہے ہو، دماغ تو نہیں چل گیا۔" فرزانہ بولی۔
"اور میں بے چارے ڈبل شریف کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی گفتگو میں پہلی بار دخل دیا۔
"بھلا اس کے بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔" محمود حیران ہو کر بولا۔
"وہ بے چارہ کیا سوچتا ہوگا کہ اچھے لوگوں کو لفٹ دی۔ خیر، ہو سکتا ہے، وہ پولیس کو خبر کر دے اور پولیس اس طرف آ جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ سڑک پر تو سفر کر ہی نہیں رہے۔"
"اور میں ابھی تک یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔ پہلے تو ہمارا خیال یہ تھا کہ ہمیں دارالحکومت سے دور رکھنا چاہتے ہیں، لیکن اب ..." فاروق کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، آگے کیا کہے۔

"لیکن اب کیا، اب بھی ہم یہی سوچنے پر مجبور ہیں۔"
"بس فرق صرف یہ ہے کہ اب ہمارے ساتھ ایک اور شخص شامل ہو چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"اوہ ہاں، اسے تو ہم بھول ہی گئے۔ نہ جانے یہ کون ہے۔ محمود، تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"
"کچھ نہیں، جب میں نے انہیں ہاتھ کا اشارہ دیا اور انہوں نے وین روکی تو وہ آدمی اسی طرح وین کی درمیانی سیٹ پر پڑا تھا، وہ بندھا ہوا بھی نہیں تھا۔ بے ہوش معلوم ہوتا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے بارے میں کچھ پوچھ سکتا، میرے سر پر کوئی چیز مار کر اندر دھکیل دیا گیا۔"
"کیوں بھائی، تم کون ہو؟" فاروق نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ لیکن اس شخص کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ شاید وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ وین اور کار اب بھی جنگل میں سے گزر رہی تھیں۔ جنگل میں ان کا سفر طویل ہی ہوتا جا رہا تھا اور ان کی پریشانی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے وین رکی اور ان کے کانوں سے ایک کھردری آواز ٹکرائی۔
"بہت خوب، تم ان لوگوں کو لے آئے۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔"
"بس ایک بات پروگرام کے خلاف ہوئی۔ ایک اور شخص اس

ٹرک پر سفر کر بیٹھا — اس نے ان لوگوں کو لفٹ بھی دی تھی — یہاں
اس کی کار سے انہیں وین میں منتقل کرنا پڑا۔"

"اور کار والا؟" کھردرا لہجہ اور کھردرا ہو گیا۔

"اس کا ہم کیا کرتے، اسے جانے دیا گیا۔"

"یہ تم نے بے وقوفی کی — اسے بھی ساتھ لے آنا چاہیے تھا،
بھلا تمہارا اس میں کیا حرج تھا۔"

"لیکن کیا یہ باس کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی — باس کا
حکم صرف ان لوگوں کو لانا تھا۔" وین والے نے کہا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے — خیر کوئی بات نہیں۔ ہم باس کے
علم میں یہ بات لے آئیں گے، پھر وہ جو مناسب سمجھیں گے، کریں گے۔"

"تو کیا باس بھی یہاں تشریف لائیں گے؟" وین والا حیران ہو
کر بولا۔

"نہیں، انہیں کیا ضرورت ہے یہاں آنے کی۔" کھردری آواز
والے نے کہا: "ان لوگوں کو نیچے اتار لو۔"

انہیں اٹھا کر نیچے اتارا گیا — اب انہوں نے دیکھا، وہ
ایک پرانی سی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ پیر مضبوطی
سے باندھے گئے تھے۔ اب بھی کھولنے کی کوشش نہیں کی گئی، یہاں
تک کہ پرانے مکان کے اندر لے جایا گیا اور ایک کمرے کے فرش
پر ڈال دیا گیا۔ ان کے ساتھ جو دوسرا شخص قیدی تھا — اب ہوش میں

نظر آیا، تو فاروق رہ نہ سکا۔

"ہیلو برادرم، آپ ہوش میں آ گئے — کتنی مدت سے ہمیں تمہارے
ہوش میں آنے کا انتظار تھا — ویسے کیا آپ عام طور پر بے ہوش
ہی رہتے ہیں؟"

"فاروق، یہ کیا بدتمیزی ہے — تم کیا پوچھ رہے ہو؟" محمود نے
گویا اسے ڈانٹا۔

"اوہ ہاں، بدتمیزی — ایک تو میری ہر بات میں یہ محترمہ بد
تمیزی چلی آتی ہیں، بے کھٹکے — اگر کھٹکا کر کے آئیں، تو بھی ایک
بات ہے۔"

"تو، اب بدتمیزی بھی کھٹکا کیا کرے گی؟" فرزانہ جھنجلا اٹھی۔

"تت، تو — کیا — نہیں کر سکتی — خیر نہیں کر سکتی ہو گی۔
ہاں تو جناب سیدھی سی بات یہ کہ آپ کون ہیں اور ان
لوگوں کے ساتھ کیوں ہیں؟"

اس پر اس نوجوان آدمی نے کچھ کہا، لیکن الفاظ ان کے پلے
نہیں پڑے۔

"یہ — یہ کون سی زبان میں بات کر رہے ہیں آپ؟" فاروق
نے بوکھلا کر کہا۔

"زبان تو عربی سے ملتی جلتی ہے، لیکن میں یقین سے کہہ سکتا
ہوں کہ عربی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے انگریزی میں کہا:

"کیا آپ انگریزی زبان سمجھتے ہیں؟"

اور وہ بونگوں کی طرح ان کی طرف دیکھتا رہا۔ اب انہوں نے فارسی میں بات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن شاید وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی زبان نہیں سمجھتا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں، یہ صاحب اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں بول سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"خیر، ان لوگوں کو تو معلوم ہے کہ یہ کون ہیں۔ کیوں جناب، یہ کون صاحب ہیں اور ہمیں ان کے ساتھ یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ یا انہیں ہمارے ساتھ یہاں کس سلسلے میں لایا گیا ہے؟"

"چپ رہو، ورنہ زبان کاٹ دی جائے گی۔" کھردری آواز والے نے کہا۔ اب انہوں نے دیکھا، وہ ایک لمبے قد کا شریف صورت آدمی تھا، لیکن اس کی آواز سے شرافت ہرگز نہیں ٹپکتی تھی۔

"کم از کم اتنا تو بتا دیں کہ آپ کون ہیں۔ اس گروہ میں آپ کی کیا حیثیت ہے؟"

"میں باس کا نائب ہوں اور میرا نام ہارون نما ہے۔"

"یہ ہارون تو سمجھ میں آ گیا، یہ 'نما' کیا بلا ہے۔" فاروق پھر نہ رہ سکا۔

"تم پھر بولے، اور یہ تم نے کیا کہا، بلا۔ تم میرے نام کو بلا کہ رہے ہو۔ تمہیں اس کا مزا چکھنا پڑے گا۔" ان الفاظ کے ساتھ

ہی ہارون نما جھپٹ کر آگے بڑھا اور فاروق کی پسلیوں میں ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔ فاروق کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ انسپکٹر جمشید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"مسٹر ہارون نما، تمہیں بھی اپنی اس سنگدلانہ حرکت کا خمیازہ بھگتنا ہو گا۔"

"ہنہ، لو تم بھی ایک ٹھوکر وصول کرو۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ان کی پسلیوں میں بھی ٹھوکر رسید کر دی۔ انسپکٹر جمشید پہلے ہی ہونٹ بھینچ چکے تھے۔ اس لیے منہ سے چیخ نہ نکلی۔

"تم اپنی بدقسمتی کو آواز دے چکے ہو دوست۔ میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔"

"جانتا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس وقت میرے سامنے ایک چیونٹی کی طرح بے بس ہو۔"

"اسی لیے تو بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہو۔ میرے ہاتھ کھلے ہوتے تو تم بولنے کے قابل کہاں رہ سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید بڑے طنزیہ لہجے میں بولے۔

کمرے میں ان کے اور اس غیر ملکی قیدی کے علاوہ چھ آدمی موجود تھے۔ ان میں سے ایک ہارون نما تھا۔ باقی پانچ اس کے ساتھی تھے۔ ان پانچوں نے اسی وقت پستول نکال لیے تھے۔ جب ہارون نما نے انسپکٹر جمشید کو ٹھوکر رسید کی تھی۔

"ان لوگوں کی رسّیاں چیک کر لو۔" ہارون نما نے ایک ساتھی سے کہا۔

وہ ان کی طرف بڑھا اور ایک ایک کی رسّیاں کھینچ تان کر دیکھنے لگا، پھر بولا:

"بے فکر رہو استاد، رسیاں مضبوطی سے انہیں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کے کھلنے یا ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم لوگ یہاں موجود رہو گے — پوری طرح چوکس رہنا، میں باس سے نئے احکامات لینے جا رہا ہوں، کیوں کہ ان لوگوں کو یہاں لانے کے بعد کیا کرنا ہے — یہ ابھی تک نہیں بتایا گیا۔"

"ٹھیک ہے استاد، تم فکر نہ کرو۔ ان میں کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکے گا۔"

"تو میں چلا۔" ہارون نما نے کہا اور چلا گیا۔

ہارون نما کے جانے کے بعد کمرے میں موت کی سی خاموشی چھائی رہی — یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو —

"ہارون نما جاتے ہوئے ہماری آوازیں ساتھ تو نہیں لے گیا۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"فاروق، تمہارا کیا حال ہے۔" محمود بے چین ہو کر بولا

"پسلیاں دکھ رہی ہیں، تاہم پریشانی والی کوئی بات نہیں۔"

"اور — اور ابا جان، آپ، آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"ہاں، میں بھی ٹھیک ہوں، فکر نہ کرو۔"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے ابا جان، یہ باس کون ہے، کس قسم کا آدمی ہے، اسے ہم سے کیا دشمنی ہے اور یہ غریب کون ہے جو ہماری زبان بھی نہیں سمجھتا — نہ ہم اس کی زبان سمجھتے ہیں۔"

"میں خود ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"اب دیکھیں، استاد صاحب، باس صاحب سے کیا احکام لے کر آتے ہیں۔" فاروق نے معصوم صورت بنائی۔

"یہ ان کے ساتھ صاحب لگانا کیا اتنا ہی ضروری ہے۔" محمود بھنا اٹھا۔

"اگر تمہیں برا لگا ہے تو تمہارے نام کے ساتھ نہیں لگاؤں گا۔" فاروق بولا۔

"فرزانہ، جواب سنتا ہے۔" محمود اس کی طرف پلٹ پڑا۔

"ہاں، ایسے اوٹ پٹانگ جواب دینا بس اسی کا کام ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"کاش، یہ صاحب ہماری زبان میں کچھ بتانے کے قابل ہوتے یا کم از کم انگریزی ہی میں بات کر سکتے۔" محمود نے سرد آہ بھری۔

"کاش، دلبر شریف صاحب پولیس کو لے کر ادھر آ جائیں۔" فاروق بولا۔

"بھئی اتنے کاش بھی نہ کرو — بھلا دلبر شریف اس طرف کس طرح آسکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پولیس ان کے ساتھ اس پوری سڑک کو چیک کر سکتی ہے، جب کہ ہم تو جنگل میں سڑک سے کوسوں دور ہیں۔" انسپکٹر جمشید منہ بنا کر بولے۔

"آج تو ابا جان آپ نے بالکل فاروق کے انداز میں منہ بنایا ہے۔"

"اچھا، کمال ہے۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ میں اس کے انداز میں بھی منہ بنا سکتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد انہوں نے قدموں کی آواز سنی — انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو ہارون نما چلا آ رہا تھا۔

"آپ آگئے استاد؟" اس کا ایک ساتھی چہک کر بولا۔

"ہاں، اور باس کے نئے احکام بھی لے آیا ہوں۔ باس نے تمہاری کامیابی پر تمہیں مبارک باد پیش کی ہے۔ اس کامیابی کے سلسلے میں آج رات دوسرے ٹھکانے پر پورا گروہ جشن منائے گا۔ جشن میں ان قیدیوں کی شرکت بھی ضروری ہے، کیونکہ گروہ کے لوگ انہیں دیکھ کر اپنا جی خوش کریں گے، لہٰذا ان لوگوں کو لے چلو۔"

"چلیے، یہ خبر سنائی ہے آپ نے شاندار۔"

اور انہیں پھر وین میں لادا گیا — وین اور کار اب پھر جنگل

میں سفر کر رہی تھیں۔ یہ سفر ایک گھنٹے کا ثابت ہوا۔

آخر گھنے درختوں کے درمیان دونوں گاڑیاں رک گئیں — انہیں نیچے اتارا گیا — گھنے درختوں کے بیچوں بیچ ایک گہرا گڑھا بنایا گیا تھا۔ اس گڑھے میں سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اترا گیا اور گڑھے کی تہ میں پہنچ کر انہوں نے خود کو ایک سرنگ کے دہانے پر پایا۔ اب انہیں اس سرنگ میں لے جایا گیا — یہاں تک کہ سرنگ کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وہ ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی دیواریں پختہ تھیں — کمرے میں حد درجے ٹھنڈک تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی سرد خانہ ہو۔

"کیا ان لوگوں کا ارادہ ہماری برف بنانے کا ہے؟" فرزانہ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"خوش آمدید دوستو۔"

انہوں نے ایک جانی پہچانی سی آواز سنی، لیکن جان نہ سکے کہ آواز کس کی تھی۔

اجنبی

گردنیں گھما کر دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکے — ان کے سامنے ہوٹل فردوس کا مالک کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"ارے مسٹر ساجد ریحان، یہ آپ ہیں۔ آپ یہاں کیسے پہنچ گئے" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"باس کا حکم تھا، آنا ہی پڑا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"باس کا حکم، کیا مطلب — اوہ سمجھا، تو آپ بھی اس گروہ میں شامل ہیں۔"

"ہاں، بالکل شامل ہوں — تم لوگوں کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"اگر یہ اتنی ہی خوشی کی بات تھی تو پہلے ہی یہاں لے آئے ہوتے، جب ہم ہوٹل میں آئے تھے۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"اس وقت باس کا پروگرام صرف یہ تھا کہ تم لوگ شہر میں دیر سے پہنچو اور وہ اپنا کام کر گزریں، لیکن پھر انہوں نے اپنا پروگرام

بدل دیا اور تم لوگوں کے بارے میں یہی فیصلہ کیا گیا کہ شہر نہ پہنچ سکو، اس لیے راستے میں سے ہی واپس لے آیا گیا — تم لوگوں کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں، ہم تو بہت آرام دہ سفر کر کے آ رہے ہیں۔" فرزانہ جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تم لوگ یہاں مہمان رہو گے۔ باس تمہارے بارے میں فیصلہ کرے گا۔"

"اور یہ صاحب کون ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے غیر ملکی کی طرف اشارہ کیا۔

"باس کی اجازت نہیں، ورنہ ضرور بتا دیتا۔"

"بہت بہت شکریہ، لیکن ہم اس سرد خانے میں کس طرح رہ سکیں گے؟"

"اسی لیے تو یہاں لائے گئے ہیں۔" وہ ہنسا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"نہیں سمجھے، آپ تو بہت عقل مند مشہور ہیں اور اتنی سی بات نہیں سمجھ سکے۔"

"تو تم ہمیں یہاں سردی سے ٹھٹھرا ٹھٹھرا کر مار ڈالنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، تاکہ تم لوگوں کی موت قدرتی معلوم ہو۔ موت کے بعد

تمہیں جنگل میں پھینک دیا جائے گا اور پھر گروہ کا کوئی آدمی شہریار
باس بن کر شہر جا کر کسی پولیس سٹیشن کو اطلاع دے گا کہ اس نے
جنگل میں کچھ لاشیں دیکھی ہیں"۔

"بھئی واہ، کتنا اچھا پروگرام ہے۔ کاش تم لوگ یہ بھی بتا
دیتے کہ یہ سب کچھ کیا کیوں گیا ہے"۔

"باس کو باس ہی جانے — اس کی بہت سی باتوں کا ہمیں
بالکل علم نہیں ہوتا"۔

"لیکن میرا خیال ہے — تم باس کے بارے میں بھی ضرور بہت
کچھ جانتے ہو"۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا مطلب، یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو"۔ وہ زور سے چونکا۔

"تم ہوٹل فردوس کے مالک ہو، یہ درست ہے نا"۔

"ہاں — اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہوٹل فردوس کے ایک کمرہ کے قالین کے نیچے سے باس کے
احکامات ملتے ہیں، تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تمہیں باس کے
بارے میں کچھ معلوم نہ ہو"۔

"یہ راز آج تک میری سمجھ میں بھی نہیں آیا کہ باس قالین
نیچے پیغام کس طرح اور کس وقت رکھ دیتا ہے"۔ اس نے جلدی جلد
کہا۔

"غلط کہتے ہو، قالین کے نیچے تم خود رکھتے ہو۔ باس کسی اور

تمہیں احکامات دیتا ہے۔ وہاں سے احکامات لا کر تم اس قالین کے
نیچے رکھ دیتے ہو اور دوسروں کے سامنے نکالتے ہو — کیوں، ٹھیک
ہے نا"۔

"تت، تم — تم بہت چالاک ہو، جو بات گروہ کا کوئی آدمی آج
تک نہیں جان سکا، وہ تم نے بھانپ لی۔ یہ حقیقت ہے۔ باس کے
بارے میں آج تک میرے علاوہ کسی کو نہیں معلوم — اسے صرف میں
جانتا ہوں۔ وہ صرف میرے سامنے آتا ہے، لیکن کہاں اور کس جگہ
اور وہ کون ہے۔ یہ راز بتانے کا مطلب صرف اور صرف موت ہے
اور ابھی میں موت کو گلے لگانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، لہذا اب
میں چلتا ہوں، تم اس مہمان خانے میں آرام کرو"۔

"تمہارے لیے بہتر تو یہی ہو گا کہ ہمیں کھول دو اور یہاں سے
نکل جانے دو۔ اس طرح شاید میں تمہارے ساتھ کچھ نرم سلوک کر
سکوں"۔

"میں تمہاری نسبت باس سے زیادہ ڈرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر ساجد ریحان مڑ گیا اور اس کے ساتھی بھی اس کے
پیچھے چلنے لگے — ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے، اس لیے
بے بسی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے رہ گئے، یہاں تک کہ
دروازہ بند کر دیا گیا۔

اس وقت تک غیر ملکی بھی سمجھ چکا تھا کہ اس کے ساتھ [illegible]

رہا ہے، لہٰذا اس کے چہرے پر اڑنے والی ہوائیاں وہ صاف دیکھ
رہے تھے۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد انسپکٹر جمشید نے محمود کے کان
میں کہا
"اب کام کا وقت ہے۔ اپنے جوتے کی ایڑی میرے پاؤں
کی طرف لاؤ۔"
محمود نے فوراً عمل کیا۔ انہوں نے جوتے کی نوکوں کی مدد سے
محمود کے جوتے کی ایڑی کھسکائی۔ محمود نے جھٹکا مار کر چاقو نیچے گرا دیا
اب انسپکٹر جمشید نے چاقو کو منہ میں تھاما اور محمود نے اپنے دانتوں
کی مدد سے اس کا پھل کھینچ لیا۔ اس کے بعد کام آسان تھا۔ انسپکٹر
جمشید نے چاقو منہ میں پکڑ کر محمود کے ہاتھوں پر بندھی رسی
پر چلانا شروع کیا، یہاں تک کہ رسی کٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد محمود
ان کے ہاتھ کھول رہا تھا۔ پانچ منٹ بعد سب رسیوں سے آزاد
ہو چکے تھے۔ سب سے آخر میں انہوں نے غیر ملکی کو کھولا۔ اب
انسپکٹر جمشید اس زمین دوز کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ
کافی مضبوط تھا۔ پہلے تو انہوں نے اسے کھولنے کی کوشش کی،
ٹکریں ماریں، لیکن جب کچھ نہ بنا تو انسپکٹر جمشید چاقو لے کر اس
جٹ گئے، لیکن کام ختم نہیں کر پائے تھے کہ باہر سے کسی
دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے دیکھا، ان کے سامنے دلبر شریف کھڑا
اس کے چہرے پر جوش کے آثار تھے۔

"مسٹر دلبر شریف آپ یہاں کیسے پہنچ گئے؟" انسپکٹر جمشید کے
لہجے میں بے پناہ حیرت در آئی۔
"ان لوگوں نے مجھے دھوکے سے میری کار سے اتار کر وین
میں سوار کر لیا تھا، پھر وین اور کار واپس گھاٹیا وادی کی طرف روانہ
ہو گئی۔ مجھے انہوں نے کچھ نہیں کہا؛ گویا میں آزاد تھا اور شہر
کی طرف جا سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ انہیں میری طرف سے کوئی
خطرہ نہیں تھا۔ یہ سوچ کر مجھے غصہ آنے لگا۔ آپ لوگ شہر پہنچنا
چاہتے تھے، لیکن یہ لوگ آپ کو بے ہوش کر کے واپس لا رہے
تھے، لہٰذا میں نے سوچا، کیوں نہ ان کا پیچھا کروں؛ چنانچہ میں
نے اپنی کار کی ہیڈ لائٹیں بجھا دیں اور ان کے تعاقب میں نکل
کھڑا ہوا۔ جنگل میں بھی میں کافی فاصلے پر ان کا تعاقب کرتا رہا،
پھر اس کھنڈر میں جب آپ لوگوں کو رکھا گیا تو بھی میں پیچھے تھا،
لیکن سامنے نہ آ سکا۔ میری حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر آپ
لوگوں کو اس جگہ سے بھی نکالا گیا اور میں ایک بار پھر تعاقب کرنے
لگا۔ اس طرح میں جنگل میں گھنے جھنڈ تک پہنچ گیا۔ میں نے سب
لوگوں کو ایک گڑھے میں اترتے دیکھا۔ کار میں نے کافی دور درختوں

کے درمیان لڑکی کی تھی --- میں جنگل میں دم سادھے کھڑا رہا۔ آخر
وہ لوگ گڑھے سے باہر نکلے اور چلے گئے لیکن ان کے ساتھ
آپ لوگ نظر نہیں آئے --- میں ڈرا کہ کہیں ان لوگوں نے آپ کو مار
کر دفن تو نہیں کر دیا --- یہی سوچ کر گڑھے میں اترا تو سرنگ
نظر آئی اور پھر میں اس دروازے تک پہنچ گیا۔"

"بہت بہت شکریہ شریف صاحب، اگر سب لوگ آپ جیسے فرض
شناس بن جائیں تو یہ معاشرہ بہت جلد پاک اور صاف ہو سکتا ہے۔
اس قید خانے سے تو خیر ہم نکل ہی جاتے، لیکن یہاں کار میسر
نہیں آ سکتی تھی --- آپ کی وجہ سے اب ہمیں سفر میں بہت آسانی ہو
جائے گی --- آئیے اب چلیں۔"

سب لوگ گڑھے سے نکل کر کار کی طرف بڑھے۔

"آپ کو راستہ تو یاد ہے نا --- کہیں ہم جنگل میں ہی نہ بھٹکتے
رہ جائیں۔"

"میں دعویٰ تو نہیں کر سکتا، کیونکہ چاروں طرف جنگل ہی جنگل
ہیں اور بھول ہو جانے کا بہت امکان ہے، لیکن پھر بھی ایسی کوشش
کروں گا کہ منزل پر پہنچ جائیں۔" اس نے کہا۔

کار میں ان کا سفر شروع ہوا --- دشمنوں کے درمیان آنکھ
مچولی کی سی رہی --- تقریباً تین گھنٹے کی محنت کے بعد راستہ مل سکا
اور وہ منزل پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے --- میں پھر کیا تھا، دلبر شریف

نے کار پوری رفتار پر چھوڑ دی۔

"اب آپ کسی کے لیے بھی کار نہ روکیے گا، جب تک کہ ہم
شہری حدود میں نہ پہنچ جائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت بہتر، آپ فکر نہ کریں --- میں نے ایک بات آپ کو
اب تک نہیں بتائی ---" دلبر شریف نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ آواز
میں ہلکی سی لرزش بھی تھی۔

"کون سی بات؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"یہ کہ جب آپ میری کار میں بیٹھ چکے تھے اور ہم شہر کی طرف
سفر شروع کر چکے تھے، تو میں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔"

"پہچان لیا تھا؟" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی ہاں، میں جان گیا تھا کہ آپ انسپکٹر جمشید اور یہ محمود،
فاروق اور فرزانہ ہیں --- اسی لیے جب دشمنوں نے آپ لوگوں کو رستے
میں سوار کر لیا اور واپس کالیا وادی کی طرف لے گئے تو میں نے
ان کے تعاقب کا پروگرام بنا ڈالا۔"

"اوہ، تو یہ بات تھی --- ہم ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہیں۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریے کی ضرورت نہیں ہے، دیکھا جائے تو میں نے اپنا فرض ادا
کیا ہے، آپ لوگوں کی مدد کی ہے۔"

اس بار وہ کسی رکاوٹ کا سامنا کیے بغیر شہر تک پہنچ گئے۔

دلبر شہزاد نے انہیں ان کے گھر کے سامنے اتار دیا — ایک بار پھر انہوں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہ چلے گئے — اندر داخل ہوئے تو بیگم جمشید حیران ہو کر بولیں:

"آپ لوگوں نے آنے میں بہت دیر لگا دی۔ آئی جی صاحب فون کر کر کے تھک گئے ہیں — ارے یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟" بعد والا جملہ انہوں نے چونک کر کہا۔

"مہمان — ٹھہرو، پہلے میں آئی جی صاحب سے بات کر لوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جلدی جلدی نمبر گھمائے — سلسلہ ملتے ہی وہ بولے:

"ہیلو سر، میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"اوہ! جمشید، تم کہاں تھے — میں نے تمہاری تلاش میں کہاں کہاں فون نہیں کیے — کالیا وادی سے تم کبھی کے روانہ ہو چکے تھے، پھر اب تک کہاں رہے؟"

"یہ ایک بہت لمبی کہانی ہے سر، خدمت میں حاضر ہو کر سناؤں گا — پہلے تو آپ یہ بتائیے، شہر میں ہر طرح خیریت تو ہے اور آپ میرے لیے پریشان کیوں تھے؟"

"خیریت ہی تو نہیں ہے جمشید، ایک دوست ریاست کا شہزادہ ہمارے ملک کی سیر کے لیے آیا ہوا تھا اور آیا بھی اس شان —

کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ ایک عام آدمی کے روپ میں ملک میں داخل ہوا، یہاں گھومتا پھرتا رہا، شاپنگ کرتا رہا اور پھر اپنے والد کو فون کر دیا کہ اس کی تلاش میں پریشان نہ ہوں، وہ یہاں ہے اور چند دن سیر کرنے کے بعد واپس آ جائے گا۔ اس کے والد نے ہمارے صدر کو فون کیا — اس کی تلاش کے سلسلے میں تمہاری ضرورت پیش آئی، لیکن تم کالیا وادی گئے ہوئے تھے، خیر! بے شمار سادہ لباس والے اس کی تلاش میں لگا دیے گئے، لیکن ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی؛ تاہم سب کو یہ اطمینان ہے کہ شہزادہ سیر کرتا پھر رہا ہے، لیکن الجھن یہی ہے کہ اگر شہزادے کو کچھ ہو گیا تو ہمارے ملک کی کتنی بدنامی ہوگی — صدر صاحب اس کے باپ کو کیا جواب دیں گے۔ دونوں صدر ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی ہیں، یہ ہے صورتِ حال۔"

"وہ زبان کون سی بولتا ہے؟"

"یہی تو سب سے بڑی الجھن ہے — وہ ہمارے ہاں کی زبان نہیں جانتا، نہ انگریزی میں بات کر سکتا ہے۔"

"کیا؟" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چہرے پر جوش پھیل گیا، یہ دیکھ کر محمود، فاروق اور فرزانہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

گروہ کا باس

"خیر تو ہے، تم لوگ میری بات سن کر حیران کیوں رہ گئے۔ میں نے کوئی عجیب بات تو نہیں کی۔" انہوں نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"جی، یہ بات نہیں، دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ ایک ایسا نوجوان ہمارے ساتھ ہے، جو ہماری زبان نہیں سمجھتا، نہ انگریزی بول سکتا ہے۔ صرف اپنی زبان میں بات کر سکتا ہے، لیکن ہم اس کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔"

"اوہ — اوہ، یہ کس طرح ممکن ہے کہ شہزادہ اس وقت تمہارے ساتھ ہو — مسٹر جمشید، میں خود آ رہا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی فون کا ریسیور رکھ دیا گیا۔

"لو بھئی، یہ حضرت تو کسی ریاست کے شہزادے ہیں اور ان کی تلاش اس وقت پورے شہر میں ہو رہی ہے۔"

"اوہ۔" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"بیرونی دروازہ بند کر دو۔ جب تک آئی جی صاحب نہ آ جائیں، کسی کے لیے دروازہ نہیں کھولا جائے گا، کیونکہ یہ حضرت ان گنت [illegible] ہوں سے چھٹے ہیں۔ آخر اس گروہ نے انہیں کیوں اغوا کیا تھا اور ان کے اغوا سے پہلے انہیں کیوں یہاں سے ہٹایا گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس اس کے ساتھ رکھا گیا، ساتھ قید کیا گیا۔ آخر کیوں، یہ کیا چکر ہے؟" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کہتے چلے گئے۔

"چکر زوردار ہے۔" فاروق بول اٹھا۔

"ابا جان نے چکر کے زور کے بارے میں نہیں پوچھا، یہ پوچھا ہے کہ چکر کیا ہے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"یہ تو چکر ہی بتا سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"لو اب چکر بھی بولنے لگے، دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"یہ تم دونوں کو جلنے اور بھننے کی کیا عادت پڑ گئی ہے، کوئی اور کام نہیں رہ گیا کیا؟" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"بیگم، ہم لوگ بھوکے پیاسے بھی ہیں اور تھکے ماندے بھی — دوسرے یہ کہ ہمارے ساتھ ایک ریاست کے شہزادے بھی ہیں، جو اتفاق سے ہمارے مہمان بن گئے ہیں، لہٰذا فوری کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فکر نہ کریں، صرف چند منٹ لگیں گے۔" انہوں نے کہا اور

باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

آئی جی صاحب کے آنے سے پہلے وہ پیٹ بھر چکے تھے۔ شہزادے نے بھی خوب ڈٹ کر کھایا تھا اور اب بہت خوش نظر آنے لگا تھا۔

"کاش! یہ بول سکتا۔" فاروق بولا۔

"یہ گونگا کب ہے۔۔۔ ہاں، ہماری زبان نہیں سمجھتا۔" فرزانہ نے پہاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"شہزادے نے انہیں بوکھلا کر دیکھا۔ شاید وہ یہ سمجھا تھا کہ دونوں لڑ پڑیں گے۔۔۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ مسکرا دیے اور نہ جانے کیوں شہزادہ بھی ہنس دیا۔

"لو، اب یہ صاحب ہنسنے بھی لگے۔"

"تو اور کیا کرے بے چارہ۔۔۔ ہمارے ملک میں آ کر عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گیا تھا۔ اب خود کو ہمدردوں کے درمیان پا کر ہنسے گا نہیں تو کیا کرے گا۔" فرزانہ نے کہا۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انداز آئی جی صاحب کا تھا، لیکن پھر بھی انسپکٹر جمشید نے محمود کو اٹھتے دیکھ کر کہا:

"نہیں بھئی، دروازہ میں کھولوں گا۔۔۔ ہو سکتا ہے، ہم خطرے میں ہوں۔"

انہوں نے دروازہ کھولا تو آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب

کھڑے نظر آئے۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ شہزادے کو بھی وہیں لے آیا گیا۔ آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب کی نظریں اس پر جم گئیں۔

"تو کیا یہی ہے شہزادہ؟" آئی جی صاحب بولے۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔۔۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ یہ ہماری زبان نہیں سمجھتا، انگریزی بھی نہیں بول سکتا۔" وہ بولے۔

"ہاں، لیکن اس کے والد نے جو حلیہ بتایا ہے، اس حلیے کے مطابق تو یہ شہزادہ ہی ہو سکتا ہے۔ خیر ہوائی جہاز کے ذریعے اس کی تصویر بھی کسی لمحے پہنچنے والی ہے۔ اس وقت تصدیق ہو سکے گی۔ فی الحال تو تم یہ بتاؤ کہ یہ تمہیں ملا کہاں سے؟"

"میں پوری تفصیل بیان کیے دیتا ہوں، لیکن اگر آپ اجازت دیں تو میں پہلے اپنے ایک دوست کو فون کر دوں۔ وہ بیرونی ممالک کی بہت سی زبانیں بول اور سمجھ سکتا ہے۔ اس طرح ہم اس سے بات چیت کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" خان صاحب بولے۔

انہوں نے فون کیا اور پھر کہانی سنانے لگے۔ آئی جی صاحب کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ آخر ان کے خاموش ہونے کے بعد بولے:

"حیرت انگیز کہانی ہے۔۔۔ آخر وہ گروہ کیا چاہتا ہے۔" [illegible] صاحب بولے۔

"اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ کہ اس گروہ کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ تمہارے بچپن کے ایک دوست کا نام سلامت اللہ ہے۔"

"اس بات پر تو میں بھی اب تک حیران ہوں۔" انہوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد دروازے کی گھنٹی پھر بجی۔ محمود نے اٹھنا چاہا، لیکن انسپکٹر جمشید نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور خود دروازے پر پہنچے۔ جلد ہی وہ اپنے دوست کو ساتھ لے کر پہنچے۔ انہیں مختصر طور پر حالات بتائے گئے۔ وہ شہزادے کی طرف مڑے اور زبانوں میں بات کرنے کی کوشش کی، لیکن شہزادہ بٹر بٹر ان کا منہ تکتا رہا۔ آخر انہوں نے کہا۔

"میں نہیں جانتا، ان کی ریاست میں کونسی زبان بولی جاتی ہے، تاہم جتنی زبانیں ان اطراف کی مجھے آتی ہیں، میں ان میں سوالات کر کے دیکھ چکا ہوں، لیکن ان کی زبان ضرور کوئی اور ہے، لہذا میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"اب کیا کیا جائے؟" انسپکٹر جمشید آئی جی صاحب کی طرف مڑے۔

"اب اس کی تصویر کا انتظار کرنے کے علاوہ کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔ جہاز اس وقت تک پہنچ چکا ہوگا اور تصویر دفتر میں پہنچنے والی ہوگی۔ میں آتے ہوئے کہہ آیا تھا کہ تصویر یہاں بھجوا دی جائے۔"

"ٹھیک ہے، ہم تصویر کا انتظار کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایسا زمانہ آ گیا ہے، اب تصویروں کا بھی انتظار کیا جانے لگا۔" فاروق نے منہ بنایا اور آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب مسکرانے لگے۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد تصویر پہنچ گئی۔ انہوں نے ایک نظر تصویر پر ڈالتے ہی جان لیا کہ ان کے ساتھ ریاست کا شہزادہ ہی موجود ہے۔

"اب معاملہ صاف ہو چکا ہے۔ ہم اسی جہاز کے ذریعے اسے واپس بھجوا دیتے ہیں۔" آئی جی صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک ہے، لیکن یہ الجھن ہی رہے گی کہ گروہ نے انہیں اغوا کیوں کیا تھا۔"

"بھئی، سیدھی سی بات ہے۔ گروہ کے باس کو اس کی حیثیت کے بارے میں معلوم ہو گیا ہوگا، چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کرا لیا، تاکہ اس کے والد سے بھاری رقم کا مطالبہ کر سکے۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی تلاش کا کام تم لوگوں کو سونپا جائے گا، لہذا تمہیں بھی اس نے پہلے ہی یہاں سے ہٹا دیا اور قید کر لیا، تاکہ تم اس کی تلاش کے سلسلے میں کچھ نہ کر سکو۔" ڈی آئی جی صاحب بولے۔

"جی ہاں، اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔" [illegible] نے کہا۔

"اب تمہارا کام اس گروہ کو گرفتار کرنا [illegible]

شہزادے کو واپس بھجوا دا۔" آئی جی صاحب مسکرائے:

"آپ فکر نہ کریں، میں اس گروہ کو نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے تو یوں بھی اس گروہ کے استاد سے انتقام لینا ہے۔" انہوں نے کہا۔

ایک بند گاڑی کا انتظام کیا گیا۔ سادہ لباس والوں کی نگرانی میں شہزادے کو اس بند گاڑی میں بٹھا کر ہوائی اڈے لے جایا گیا اس کے والد کو پہلے ہی فون کیا جا چکا تھا کہ اس کے بیٹے کو بھیجا جا رہا ہے۔

"اب آپ کیا کریں گے؟" محمود نے تھکے تھکے لہجے میں کہا

"ہم ایک بار پھر گانیا وادی جائیں گے۔ اس گروہ کی گرفتاری اس وادی میں ہی عمل میں آ سکے گی۔" انہوں نے کہا۔

"یہ گانیا وادی تو ہمارے پیچھے ہی ہے..... ارے ابا جان کیا آپ پہلے اس طرف توجہ نہیں دیں گے کہ گروہ کو یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی کہ آپ کے ایک دوست کا نام سلامت اللہ ہے۔" فرزانہ کہتے کہتے چونک پڑی۔

"اوہ ہاں، یہ بات تو بہت ضروری ہے، لیکن مشکل یہ کہ میں اس کے بارے میں بالکل بے خبر ہوں۔ نہ جانے وہ کے کون سے حصے میں ہے ان دنوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سے باہر ہو۔ دراصل وہ ایک جگہ ٹک کر کبھی نہیں رہتا۔ خیر

کوشش کرتا ہوں، تم کچھ دیر آرام کر لو۔ اس مہم نے تمہیں بری طرح تھکا دیا ہو گا۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا اور فون پر جھک گئے۔

"بہت بری طرح تو نہیں، ہاں اچھی طرح ضرور تھکا دیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"جاؤ بھئی، اپنے کمرے میں بیٹھو جا کر۔ یہاں تم مجھے فون نہیں کرنے دو گے۔" انسپکٹر جمشید جھنجھلا اٹھے۔

فاروق مسکراتے ہوئے اٹھا۔ محمود اور فرزانہ نے برے برے منہ بناتے ہوئے اس کا ساتھ دیا اور اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔

"یہ کیس میری سمجھ میں نہیں آیا۔" فاروق بولا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" فاروق چونک کر بولا۔

"ہر بات کا مطلب بتانے کا ہم نے ٹھیکا نہیں لے رکھا۔ اس کیس میں ایسی کوئی بات نہیں، بالکل سیدھا سادہ کیس ہے۔ ایک دوست ریاست کا شہزادہ کسی کو بتائے بغیر ہمارے ملک میں چلا آیا۔ خرید و فروخت کرتا پھر رہا تھا کہ ایک جرائم پیشہ گروہ کے لیڈر نے اسے دیکھ لیا اور دیکھ کر اسے اغوا کرنے کا پروگرام بنایا۔ لیکن لیڈر کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اس قسم کے معاملات عام طور پر ہمارے سپرد کیے جاتے ہیں اور ہم معاملے کی تہ تک پہنچ کر رہتے ہیں، لہٰذا اس نے شہزادے سے پہلے ہمیں اغوا کر لیا اور اس کے بعد

شہزادے کو — پھر دونوں کو ایک ہی قید خانے میں بند کروا دیا۔ شاید اس لیے کہ اس کے پاس دوسرا قید خانہ نہیں تھا — ہم قید سے نکل آئے — اب شہزادہ اپنی ریاست جا رہا ہے اور ہم اس گروہ کی گرفتاری کے پیچھے جا رہے ہیں — بس اتنی سی بات ہے۔" فرزانہ روانی کے عالم میں کہتی چلی گئی۔

"لیکن اتنی سی بات کے لیے اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی۔ گھماؤ پھراؤ سے میری مراد، سڑک کی تبدیلی، پھر وہاں دیو قامت آدمی شاکا سے "ٹکراؤ"، سڑک میں گڑھا بنایا گیا، تاکہ اس مقام پر ہم شاکا سے بھڑیں، پھر ہمارا کار حاصل کرلیا، کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہونا اور پھر کسی کا فائرنگ کر کے شاکا کو ہلاک اور کار کو بے کار کر دینا — اس کے بعد دوسری طرف سے آنے والی بس اور کار کا ہماری واپسی کو ناکام بنانا اور پکڑ کر اس ٹھکانے تک لانا — ان کے ساتھ شہزادے کا ہونا، ہمیں ایک ہی جگہ قید رکھنا پھر دوسرے ٹھکانے تک پہنچانا — آخر یہ سب باتیں کیا ظاہر کرتی ہیں۔" محمود نے پرزور لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی ظاہر نہیں کرتیں، بس ہمارا دماغ ضرور خراب کرتی ہیں۔" فاروق بولا۔

"بھئی تم تو خاموش ہی رہو۔ اس وقت بہت سنجیدہ گفتگو ہو رہی ہے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"اوہو! اچھا — مجھے نہیں معلوم تھا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں تو فرزانہ، کیا کہتی ہو اس بارے میں؟"

"یہ کہ ان سب باتوں کی تہہ میں کوئی گہرا راز ضرور کام کر رہا ہے اور ہمیں اس راز کی تہہ میں پہنچنا ہوگا۔" وہ بولی۔

"پہلے باتوں کی تہہ میں پہنچ لو، پھر راز کی تہہ میں پہنچنا۔" فاروق بولا۔

"تم پھر بولے۔" محمود جھلا اٹھا۔

"ہاں تو تمہیں کلیہ بتا رہا ہوں تہہ تک پہنچنے کا۔"

"ادھر آؤ بھئی، سلامت اللہ کا پتا چل گیا۔" باہر سے انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے صحن میں پہنچے۔

"سلامت اللہ ان دنوں ایک دور دراز کے شہر میں تحصیلدار لگا ہوا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ ان دنوں اس سے میرے بارے میں کسی نے کچھ بھی نہیں پوچھا۔"

"اوہ، یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں، لیکن اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ گروہ کے کسی آدمی یا اس کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ میرے ایک دوست کا نام سلامت اللہ ہے۔"

"جی ہاں، ضرور یہی بات ہے۔"

"خیر، میں فون پر سلامت اللہ سے بات چیت کر چکا ہوں اور

کم از کم یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس معاملے میں کسی طرح بھی سلامت
کا ہاتھ نہیں ہے ۔ لہذا اب ہمیں پھر گاٹیا وادی جانا ہے ، ہم اپنے
ساتھ کچھ سادا لباس والوں کو بھی لے کر جائیں گے ۔ کیونکہ نجانے
اس گروہ کے آدمیوں کی تعداد کتنی ہے ؟"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔ دوسری طرف آئی ۔ جی صاحب
کہہ رہے تھے :

"ہیلو جمشید ، تمہیں یہ سن کر اطمینان ہو گا کہ شہزادے کو جہاز
میں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا ہے اور وہ ایک گھنٹے تک اپنی ریاست
میں پہنچ جائے گا ۔"

"بہت خوب ، جوں ہی ان کے والد کا فون آپ کو ملے ، مجھے
فون کر دیجیے گا ۔" انہوں نے کہا ۔

"کیوں ، کیا کوئی خاص بات ہے ؟"

"جی نہیں ، اس طرح اور بھی اطمینان ہو جائے گا ۔"

"ٹھیک ہے ، فکر نہ کرو اور تم گاٹیا وادی کے لیے کب روانہ
ہو رہے ہو ؟"

"دو گھنٹے بعد ۔ میں مجرموں کو مہلت دینا پسند نہیں کروں گا ۔"

"ٹھیک ہے ، میں بھی یہی چاہتا ہوں ۔" انہوں نے کہا اور
ریسیور رکھ دیا ۔

ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے بعد آئی ۔ جی صاحب کا فون پھر موصول ہوا ۔

وہ کہہ رہے تھے :

"ہیلو جمشید ، ریاست کے صدر کا فون موصول ہو چکا ہے ۔
بیٹے کے بخیریت پہنچنے پر انہوں نے ہماری حکومت کا شکریہ ادا کیا
ہے ۔"

"تو کیا انہوں نے اپنے بیٹے کو پہچان لیا ہے ؟" ان کے
لہجے میں حیرت تھی ۔

"ہاں کیوں ۔ تمہارے خیال میں انہیں پہچاننا نہیں چاہیے تھا ؟"

"جی نہیں ، میرا یہ خیال نہیں ۔ یونہی وہم سا ہوا تھا کہ
کہیں شہزادے کو بدل تو نہیں دیا گیا ۔"

"اوہ ، لیکن نہیں ۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے ۔ ایک باپ
اپنی اولاد کو پہچاننے میں کس طرح غلطی کر سکتا ہے ۔" انہوں نے جلدی
جلدی کہا ۔

"ہاں ، آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔ اچھا خدا حافظ ، ہم آدھ گھنٹے
کے بعد وادی کی طرف روانہ ہو جائیں گے ۔"

"خدا حافظ ۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا ۔

تین جیپوں پر مشتمل ان کا قافلہ گاٹیا وادی پہنچا ۔ اکرام اور
سادا لباس والوں نے غیر محسوس طور پر ہوٹل فردوس کو گھیرے میں لے
لیا ۔ انہیں اس جگہ چھوڑ کر انسپکٹر جمشید نے جنگل کا رخ کیا ۔ محمود ،
فاروق ، فرزانہ اور چند سادہ لباس والے ان کے ساتھ تھے ۔ وہ دوسری

سڑک کے ذریعے پہلے مجرموں کے پہلے ٹھکانے پر پہنچے، لیکن اس طرف کوئی نہیں تھا۔ اب وہ آگے بڑھے اور زمین دوز کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اب انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی، پروگرام پر عمل کا وقت آچکا تھا۔ انہوں نے سادہ لباس والوں کو پہلے ہی ہدایات دے رکھی تھیں۔ عین اس وقت انہیں ہوٹل کے باہر لاؤڈ سپیکر پر اعلان کرنا تھا کہ ہوٹل کو گھیرے میں لیا جا چکا ہے، لہذا ہوٹل کا مالک اور عملہ ہاتھ اٹھا کر باہر نکل آئے۔

"اس وقت لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا جا رہا ہوگا۔"

"ہوں، تو کیا آپ کے خیال میں وہ لوگ گرفتاری پیش کر دیں گے؟"

"اگر یہ خیال ہوتا، تو میں یہاں کیوں موجود ہوتا۔"

اسی وقت انہوں نے اپنے سروں پر قدموں کی آوازیں محسوس کیں، پھر چھت میں ایک چوکور خلا نمودار ہوا۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ وہ اس وقت کمرے کی دیواروں سے لگے کھڑے تھے اچانک خلا میں سے آدمی پر آدمی کودنے لگے۔ یہ کھڑے چپ چاپ انہیں دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے۔ جب کودنے کا سلسلہ بند ہو گیا تو انہوں نے ساجد ریحان کی آواز سنی:

"بس سب آگئے، آؤ جلدی کرو۔"

"اب جلدی کر کے کیا کرو گے مسٹر ساجد ریحان۔" انسپکٹر جمشید

کی آواز سنائی دی۔

وہ سب اچھل پڑے۔ چونک کر آواز کی سمت میں دیکھا تو ان کی طرف پستول اٹھے ہوئے تھے۔

"ہاتھ اوپر اٹھا کر شریفوں کی طرح کھڑے ہو جاؤ۔" محمود بولا۔

"شریفوں کی طرح تو یہ کھڑے ہو چکے۔" فاروق نے کہا۔

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اب سادہ لباس والے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنانے لگے۔ ان میں ہارون نما بھی تھا، وہی کھردری آواز والا، جس نے فاروق اور انسپکٹر جمشید کی پسلیوں میں ٹھوکریں ماری تھیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی فاروق بولا:

"ابا جان، ان میں ہارون نما بھی موجود ہے۔"

"ہاں، میں دیکھ چکا ہوں۔ کیا تم اس سے اپنا انتقام لینا چاہتے ہو؟"

"جی، آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہم اسے گرفتار کر چکے ہیں۔ یہ اپنے کیے کی سزا بھگت ہی لے گا۔" انہوں نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کہا۔

"اور آپ مسٹر ساجد ریحان، تم اپنے اس کا انجام دیکھو گے:"

انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"افسوس میں نہیں جانتا۔"

"کیا کہا، نہیں جانتے — لیکن تم خود اقرار کر چکے ہو کہ باس کا نام تمہارے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔"

"میں نے جھوٹ کہا تھا۔ باس نے مجھے یہ جھوٹ بولنے کی اجازت ہی نہیں، ہدایت بھی دے رکھی ہے — اسی لیے میں گروہ کے آدمیوں پر اور ضرورت پڑنے پر دوسروں کو بھی یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ میں باس کو جانتا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس کے بارے میں بالکل بھی نہیں جانتا۔"

"ہم تمہاری بات پر کس طرح یقین کر لیں۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"آپ یقین کریں یا نہ کریں، حقیقت یہی ہے۔"

"اور اس کے احکامات تمہیں کس طرح ملتے تھے؟"

"بذریعہ فون — میں انہیں ایک کاغذ پر لکھ کر ہوٹل کے کمرے کے قالین کے نیچے رکھ دیتا تھا، پھر دوسرے کارکنوں کے سامنے نکال لیا کرتا تھا۔"

"لیکن میرا خیال ہے، تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلا سکتا ہوں؟"

"اچھا یہ بتاؤ، یہ گروہ کس قسم کے کام کرتا تھا؟" انہوں نے پوچھا۔

"مختلف قسم کے، لیکن کاموں کا مقصد صرف اور صرف باس کو معلوم ہوتا تھا، مثلاً اسی معاملے کو لے لیں — ہمیں بالکل معلوم نہیں کہ وہ غیر ملکی نوجوان کون تھا، اسے کیوں اغوا کرایا گیا۔ آپ لوگوں کو یہاں کیوں بلایا گیا اور پھر سڑک کی مرمت کا بہانہ بنا کر دوسری سڑک سے کیوں بھیجا گیا — ان تمام باتوں کا مقصد ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اسی قسم کے کام ہمیں اکثر کرنا ہوتے تھے، اغوا کرنا، بعض چیزیں سمندر کے اندر، کچھ لانچوں تک پہنچانا — ہم نے ان چیزوں کو کبھی کھول کر نہیں دیکھا، لیکن اندازہ یہی ہے کہ زیادہ تر کاغذات بھیجے جاتے تھے، گویا باس خفیہ اطلاعات دوسروں تک پہنچاتا تھا۔"

"یہاں اس کے کسی ٹھکانے کے بارے میں بتا سکتے ہو؟"

"ہم میں سے اسے کبھی کسی نے دیکھا ہی نہیں تو ٹھکانے کے بارے میں کس طرح بتا سکتے ہیں۔"

"تم لوگوں کو کاغذات کس طرح ملتے تھے؟"

"بذریعہ ڈاک، عام لفافوں میں — ان پر اوٹ پٹانگ باتیں تحریر ہوتی تھیں، جنہیں پڑھ کر میں حیران ہوا کرتا تھا۔ آج تک کسی تحریر کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آسکا، لیکن ہدایات یہی ہوتی تھیں کہ انہیں بحفاظت تمام سمندر میں پہنچا دو۔"

"اور سمندر میں کاغذات وصول کرنے والی لانچیں کس طرح پہنچ

پر پہنچتی تھیں۔"

"میں نہیں معلوم، باس خود ہی انہیں اطلاعات دیتا ہو گا۔"

"اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا باس ایک غیر ملکی ایجنٹ تھا۔ وہ دشمن ملک کے لیے جاسوسی کیا کرتا تھا اور اپنی کارروائیوں کی رپورٹیں تم لوگوں کے ذریعے بھیجا کرتا تھا۔ وہ تم لوگوں کے سامنے نہیں آیا، لہٰذا تم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ ہو سکتا ہے، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم سے سچ اگلوا یا جائے گا۔" انہوں نے سرد آواز میں کہا۔

"نہیں نہیں جناب، میں ہرگز جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ میں باس کو بھی گرفتار کر کے رہوں گا۔ اب میں اسے ملک اور قوم کو مزید نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

اسی وقت اوپر سے اکرام کی آواز سنائی دی:

"سر، کیا سب معاملہ ٹھیک ہے؟"

"ہاں بھئی سیڑھی وغیرہ کا انتظام کرو۔ اب کون اتنا لمبا چکر کاٹ کر ہوٹل تک پہنچے۔" انہوں نے کہا۔

جلد ہی ان کے لیے سیڑھی لٹکا دی گئی۔ تمام مجرموں کو بھی اوپر لایا گیا۔ ہوٹل کے ایک ایک کمرے کی تلاشی لی گئی۔ قالین والا کمرہ وہی تھا، جس میں چوکور دروازہ نمودار ہوا تھا اور یہ بھی قالین کے

نیچے چھپا رہتا تھا۔ ساجد ریحان کے کمرے سے بہت سے کاغذات برآمد ہوئے؛ گویا یہ کاغذات ابھی بھیجے نہیں جا سکے تھے۔ ان کا مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہو گیا، یہ کاغذات دشمن ملک کے لیے تھے اور ان کے لیے بہت مفید بھی تھے۔ ان میں ملک کے کئی اہم اندرونی معاملات درج کیے گئے تھے۔ انہیں بہت حیرت ہوئی کہ آخر یہ معلومات کس طرح حاصل کی گئی ہیں۔

"ابا جان، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ساجد ریحان ہی گروہ کا باس ہو، لیکن اس راز کو چھپا رہا ہو۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

اور پھر ان کی نظریں ساجد ریحان پر جم گئیں۔

خط لکھ دیجیے

"یہ یقینی، حتمی ہے" انسپکٹر جمشید نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"جی نہیں، ایسی بات نہیں — میں تو ہوٹل میں ہی رہتا تھا — اس بات کی تصدیق آپ یہاں رہنے والوں سے کر سکتے ہیں، بیروں سے کر سکتے ہیں۔"

"یہ کوئی بات نہیں — باس کو کہیں جانے کی ضرورت بھی کیا ہے — ہو سکتا ہے اطلاعات تمہارے لیے کچھ اور کارکن مہیا کرتے ہوں۔"

"جی نہیں، میں باس نہیں ہوں۔"

"اچھا جانے دو، ان کاغذات میں جو اطلاعات ہیں، وہ کن شہروں سے متعلق ہیں؟" محمود نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"کئی شہروں سے — کیوں، تم نے یہ کیوں پوچھا؟"

"جی بس ایسے ہی — آپ کے دوست سلامت اللہ جس شہر میں رہتے ہیں، کیا ان اطلاعات میں سے کوئی اطلاع اس شہر

کی بھی ہے؟"

"ہاں، ہے — پھر کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کہیں میرا دوست سلامت اللہ ہی تو باس نہیں؟"

"ج ج، جی، نہیں — بھلا میں یہ کس طرح کہہ سکتا ہوں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"بھئی، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے — میرا دوست بھی مجرم ہو سکتا ہے، یہ کوئی عجیب بات تو نہیں ہو گی۔"

"جی، جی ہاں — میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"فکر نہ کرو — میں اس پہلو پر بھی غور کر رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"اگر ہمیں کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ لانچوں کو کس طرح پیغام دیا جاتا تھا تو ہم انہیں بھی گرفتار کر سکتے تھے۔" فاروق بولا۔

"ہاں، لیکن یہ بات کس طرح معلوم ہو — ساجد ریحان کا تو کہنا ہے کہ باس ہی لانچوں کو اطلاع دیا کرتا تھا اور ادھر انہیں فون کر دیتا تھا — ویسے اس بار کا مجرم ہے بہت چالاک۔ خود تو پردوں میں چھپا بیٹھا ہے اور سارا گروہ گرفتار ہو گیا ہے۔ اچھا ہاں، مسٹر ساجد، وہ تم لوگوں کو تنخواہیں کس طرح دیتا تھا؟"

"میرے نام رجسٹرڈ لفافہ آتا تھا۔ اس میں بڑے کرنسی نوٹ ہوتے تھے۔ میں اپنی تنخواہ رکھ کر باقی ان میں تقسیم کر دیتا تھا۔"

"کیا کوئی لفافہ، میرا مطلب ہے، خاص لفافہ موجود ہوگا؟"

"نہیں، اس کی ہدایات تھیں کہ جوں ہی لفافہ ملے، رقم اس میں سے نکال کر اسے جلا دیا جائے اور میں ہر لفافے کو جلاتا رہا۔"

"تاہم تم نے یہ دیکھنے کی کوشش تو ضرور کی ہوگی کہ لفافہ آتا کہاں سے تھا؟"

"کئی بار کوشش کی، لیکن لفافہ ہر بار مختلف جگہ اور مختلف شہر سے آتا تھا۔"

"بہت چالاک ۔۔ بھئی، اس بار کا مجرم بہت ہی چالاک ہے، لیکن اس سے ایک غلطی بہر حال ہو چکی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑانے کے انداز میں بولے۔

"جی۔ کون سی غلطی؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"ایک غلطی، بہت بڑی غلطی ۔۔ یہ کہ اس نے میرے دوست سلامت اللہ کا نام استعمال کیا ۔۔ آخر اسے یہ بات کس طرح معلوم ہے کہ سلامت اللہ میرے بچپن کا دوست ہے؟"

"اور آپ کے پاس اس خط کی صورت میں مجرم کے ہاتھ کی تحریر بھی تو موجود ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہاں، ضرور موجود ہے، لیکن وہ تو اس صورت میں کام آ سکتی ہے، جب ہمیں مجرم کی شخصیت کے بارے میں علم ہو جائے۔"

"ابا جان، کیا آپ دلبر شریف کے بارے میں بھی سوچ چکے ہیں۔ کیا وہ مجرم نہیں ہو سکتا؟" محمود بولا۔

"ہاں، ضرور سوچ چکا ہوں۔ اس پر کئی بار شک کر چکا ہوں۔ لیکن ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکی کہ اگر وہ مجرم ہے تو اسے ہماری مدد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سوال کا جواب ابھی تک نہیں مل سکا ۔۔ اگر تم جواب دے دو تو بات ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جب آپ ہی جواب نہیں دے سکے تو ہم کیا دیں گے؟" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"خیر، ہم دلبر شریف سے بھی ملاقات کریں گے۔"

"لیکن کس طرح، کیا آپ کو اس کا پتا معلوم ہے؟"

"میں نے اس کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ پتا معلوم کر لیا جائے گا۔" انہوں نے کہا۔

آخر تمام مجرموں کو گرفتار کر کے اور ہوٹل کو سیل کر کے وہ دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا، لیکن چہروں پر کامیابی کی چمک نہیں تھی۔

دوسرے دن شام پانچ بجے کے بعد وہ دلبر شریف کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ پتا معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہوا تھا۔ دلبر شریف یوں بھی سرکاری افسر تھے۔ دروازہ کھلا تو

ان پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھے اور پھر خوش ہو کر بولے۔

"اوہو، آپ لوگ ہیں، آئیے۔ تشریف لائیے۔ آپ نے [illegible] کیوں زحمت کی، فون کر دیا ہوتا۔ میں خود ہی آ جاتا۔"

"کوئی بات نہیں، ہم تو دراصل آپ کا شکریہ ادا کرنے [illegible] آئے ہیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس میں شکریے کی کیا بات ہے" وہ بولے۔

"میں صاف لفظوں میں ایک اور بات بھی کہنے آیا ہوں" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی فرمائیے، کیا بات ہے؟" انہوں نے کہا۔

"ہم لوگوں نے اس گروہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ اب میں آپ کو مختصر طور پر سارے حالات سناتا ہوں۔ اس کا میں نے آپ سے وعدہ بھی کیا تھا" یہ کہہ کر انہوں نے سارے حالات سنا دیے۔ آخر میں بولے:

"اگرچہ پورا گروہ گرفتار ہو چکا ہے، لیکن ہم ابھی تک [illegible] کے لیڈر کو گرفتار نہیں کر سکے اور اصل میں اسی کی گرفتاری [illegible] ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے [illegible]

"کیا مطلب، اس سلسلے میں بھلا میں کیا کر سکتا ہوں" انہوں [illegible] چونک کر کہا۔

"ایک تھوڑی سی تکلیف دیں گے آپ کو۔ اپنے ہاتھ سے [illegible] الفاظ لکھ دیجیے۔"

"کیا فرمایا، چند الفاظ لکھ دوں، لیکن کس لیے لکھ دوں [illegible] کیا لکھ دوں" ان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"کچھ بھی لکھ دیجیے، اردو کے چند الفاظ، جس طرح کسی کو [illegible] لکھا جاتا ہے۔ اچھا یوں کریں۔ آپ مجھے دوست خیال کرتے [illegible] ایک خط لکھ دیجیے۔"

"لیکن کیوں، میں ایسا کیوں کروں؟" انہوں نے حیران ہو کر [illegible]

"بس یہ میری خواہش ہے" وہ مسکرائے۔

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ مہربانی فرما کر [illegible]احت کریں آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں" انہوں نے پریشان ہو [illegible] کہا۔

"بہت اچھا، اگر آپ وضاحت ہی چاہتے ہیں تو پھر سنیے، [illegible]خیال ہے کہ اس گروہ کے لیڈر آپ ہیں" انہوں نے پرسکون [illegible] میں کہا۔

"گروہ کا لیڈر، کس گروہ کا؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" [illegible]ہاڑ کھانے والے لہجے میں بولے۔

"آپ کی گاڑی سے جن لوگوں نے ہمیں وین میں سوار کیا تھا"

اس گروہ کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں اب بھی آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" وہ بولے۔

"اچھا خیر، میں قدرے تفصیل میں جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے مختصر طور پر حالات کہہ سنائے۔ ان کے خاموش ہونے پر دلبر شریف بولے:

"اور آپ کا یہ خیال ہے کہ میں اس گروہ کا سرغنہ ہوں۔" ان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں، کیونکہ آپ کے علاوہ ابھی تک کوئی ایسا آدمی ہمارے سامنے نہیں آیا، جس پر ہم سرغنہ ہونے کا شک کر سکیں۔" محمود بول اٹھا۔

"اور چونکہ سرغنہ نے آپ کے دوست کی طرف سے آپ کو خط لکھا تھا، لہٰذا آپ میرے ہاتھ کی تحریر دیکھنا چاہتے ہیں، تاکہ معلوم ہو سکے، وہ خط میں نے نہیں لکھا تھا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔ اب آپ پوری بات سمجھ رہے ہیں۔"

"تو پھر یقین کر لیجیے، وہ خط میں نے نہیں لکھا تھا اور نہ میں اس گروہ کا سرغنہ ہوں۔ میرا ایسے کسی گروہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔"

"ہم زبانی یقین کرنے کے عادی نہیں ہیں جناب۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"زبانی یقین۔" دلبر شریف نے اسے گھورا۔

"اس کی بات چھوڑیں۔ یہ تو اوٹ پٹانگ الفاظ بولنے کا ماہر ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"خیر، اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں تو میں خط لکھ دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

"ابا جان، کہیں یہ صاحب فرار ہونے کا پروگرام تو نہیں بنا رہے؟"

"فکر نہ کرو، اگر انھوں نے فرار ہونے کی کوشش کی تو رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے۔"

"وہ کیسے، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔"

"ان کی نگرانی سادہ لباس والے کر رہے ہیں۔ نہ صرف ان کی بلکہ کچھ اور لوگوں کی بھی۔" انھوں نے بتایا۔

"جی، کچھ اور لوگوں کی؟ مثلاً..."

"مثلاً سلامت اللہ کی۔ میرے بچپن کے چند دوست اور ہیں، جن کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ کہاں رہتے ہیں، لہٰذا ان کی بھی نگرانی ہو رہی ہے، کیونکہ سلامت اللہ کی طرف سے خط کوئی واقف ہی لکھ سکتا ہے۔"

"اوہ، تب تو ٹھیک ہے۔"

اسی وقت دلبر شریف کاغذ اور قلم لیے اندر داخل ہوئے اور
پھر خط لکھنے لگے۔ تین منٹ بعد انہوں نے خط ان کی طرف بڑھا دیا۔
خط کو میز پر پھیلا کر اس کے مقابل سلامت اللہ والا خط رکھا گیا۔
چاروں نے دونوں خطوط کا بغور جائزہ لیا اور پھر مایوسانہ انداز میں
سیدھے ہو گئے۔

"نہیں جناب، خط آپ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ ہمیں افسوس
ہے، آپ کو زحمت ہوئی۔"

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا۔ آپ نے یقین ہی نہیں کیا۔"

"خیر کوئی بات نہیں، اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

اور وہ ڈرائنگ روم سے نکل آئے۔ اچانک محمود چلتے چلتے رک
گیا اور ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"معاف کیجیے گا دلبر شریف صاحب، آپ بائیں ہاتھ سے تو لکھنا
نہیں جانتے؟"

"بائیں ہاتھ سے، نہیں تو۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"شکریہ، دراصل کچھ لوگ بائیں ہاتھ سے بھی لکھنے کے ماہر ہوتے
ہیں، لیکن بائیں ہاتھ سے ان کی تحریر بالکل اور طرز کی ہو

"اوہ ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن بے فکر رہیں، مجھے ا
ہاتھ سے لکھنا نہیں آتا۔" انہوں نے پُرزور انداز میں کہا۔

"آپ کے پاس دفتر کی کچھ فائلیں تو ہوں گی؟"

"یہاں، جی ہاں، بالکل ہیں۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے مجھے
ر فائلیں گھر بھی لانا پڑتی ہیں۔"

"تب پھر ہم وہ فائلیں بھی دیکھنا پسند کریں گے۔"

اس کے الفاظ سن کر انسپکٹر جمشید، فاروق اور فرزانہ بھی پلٹ
ے اور انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

"ہاں، یہ بہت ضروری ہے۔"

"مجھے اس پر بھی کوئی شک نہیں۔ آئیے میرے ساتھ۔"

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک عورت بستر میں
ی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر
تاب بستر پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شازی، تم ذرا دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ یہ حضرت میرے
ے میں کچھ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

دلبر شریف نے گھر میں موجود فائلیں ان کے سامنے رکھ دیں۔
نہیں کھول کھول کر دیکھنے لگے۔ تمام فائلوں میں طرز تحریر وہی نظر
جو انہوں نے خط میں لکھا تھا۔ اب تو محمود کی مایوسی کی کوئی
رہی۔ وہ فائلیں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں بھئی، مایوس ہو گئے؟"

"ان حالات میں مایوس نہ ہوں تو کیا کروں۔" اس نے کہا۔

چند منٹ تک اور اطمینان کرنے کے بعد انسپکٹر جمشید بھی
گئے — گھر سے باہر نکلے تو ایک سادہ لباس والا جیپ کی طرف آ
"ہاں بھئی، کیا رپورٹ ہے؟"
"کوئی مشکوک بات نظر نہیں آسکی جناب عالی — دلبر شہزاد
اس معاملے سے قطعاً کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔"
"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے — خیر کوئی بات نہیں۔"
"تو کیا نگرانی ختم کر دی جائے؟"
"ہاں، اب نگرانی کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بولے۔
وہ جیپ میں بیٹھ گئے — اب ان کا رخ گھر کی طرف تھا۔
"آخر گروہ کا لیڈر کہاں گیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔
"میرے پاس بچپن کی ایک فائل ہے — اس میں سلامت
اور میرے علاوہ کچھ اور دوستوں کی گروپ فوٹو بھی ہیں — میں ان
فوٹوز کا جائزہ لوں گا۔ شاید اس طرح کسی نتیجے پر پہنچ سکوں۔"
"آپ بچپن کے دوستوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں — جب کہ
خیال ہے، آپ کے دوست کا صرف نام ان لوگوں نے استعمال
ہے۔" فرزانہ بولی۔
"ہاں، تم نے ٹھیک کہا — لیکن سوال تو یہ ہے کہ ان
کو میرے بچپن کے دوست کا نام معلوم کس طرح ہو گیا — یہ نام
میں نے بیس سال بعد خط میں پڑھا ہے۔"

ان کی اس بات کا فرزانہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ گھر
پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید نے ایک الماری کا تالا کھولا — اس میں سے
کچھ فائلیں نکالیں اور میز پر رکھ کر انہیں کھولنے لگے — پانچ منٹ
بعد انہوں نے چار گروپ فوٹو ان میں سے نکال لیے۔ ان میں سکول
کے زمانے کے ساتھی کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان میں انسپکٹر جمشید
بھی تھے — بچپن کے انسپکٹر جمشید انہیں پہلی بار دکھائی دیے تھے۔
وہ ذوق اور شوق سے بار بار انہیں دیکھنے لگے، پھر فاروق نے کہا:
"ابا جان، آپ تو بالکل محمود نظر آتے ہیں۔"
"ہاں، محمود بالکل میری شکل پر گیا ہے۔"
اب انہوں نے ان کے ساتھ کھڑے لڑکوں کو دیکھنا شروع کیا۔
ایک ایک تصویر کو دیکھنے کے بعد وہ تھکن سی محسوس کرنے لگے اور
فاروق بولا:
"ان تصویروں کو دیکھ کر بھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔"
"لیکن اس بات کو لکھ لو — گروہ کے لیڈر کا تعلق میرے کسی
نہ کسی بچپن کے دوست سے ضرور ہے، ورنہ وہ سلامت اللہ کا نام
کسی صورت بھی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔" انہوں نے پر یقین لہجے میں کہا۔
"اب آپ کیا کریں گے؟"
"بس، میں ان تصویروں پر غور کروں گا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اور ہم کیا کریں؟" فاروق بولا۔

"تم آرام کرو — اس کیس نے تمہیں بہت تھکا دیا ہے — تم تینوں کے ذہن بھی بہت تھک چکے ہیں۔"

انہوں نے محسوس کیا، واقعی ان کے ذہن تھک گئے ہیں چنانچہ اپنے کمرے میں چلے آئے، پھر رات کے کھانے کے لیے صحن میں آئے تو انسپکٹر جمشید کسی کتاب کے مطالعے میں غرق نظر آئے۔ بیگم جمشید میز پر کھانا لگا رہی تھیں — انہیں آتے دیکھ کر وہ مسکرا دیے اور کتاب میز پر رکھ کر انگڑائی لی۔ کتاب پر نظر پڑتے ہی وہ حیران رہ گئے۔ وہ ایک جاسوسی ناول تھا۔

"ارے، یہ تو جاسوسی ناول ہے۔"

"ہاں، ہے تو جاسوسی ناول ہی۔"

"حیرت ہے، ہم نے آج سے پہلے آپ کو جاسوسی ناول پڑھتے نہیں دیکھا۔" محمود بولا۔

"تو کیا ہوا، آج تو دیکھ لیا نا۔" انہوں نے کہا۔

"آپ کو آخر آج جاسوسی ناول پڑھنے کی کیا سوجھ گئی۔"

"کسی زمانے میں میں صرف جاسوسی ادب ہی پڑھا کرتا تھا۔ بس وہ دن یاد آ گئے اور میں ناول پڑھنے لگا۔ اس میں حیران ہونے والی کوئی بات نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"ان تصویروں سے کوئی نتیجہ نکلا۔" محمود نے بے تابانہ لہجے میں پوچھا—

"ہاں، ایک نتیجہ نکلا تو ہے۔" وہ سرسری لہجے میں بولے۔

"اوہو اچھا، جلدی بتایئے، کیا نتیجہ نکلا؟" فرزانہ بولی۔

"یہ کہ گروہ کا سرغنہ میرے بچپن کا دوست ہی ہے۔"

"کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا—

آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، پھر فاروق نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"تت — تو کیا اسس سلامت......"

وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ انسپکٹر جمشید معنی خیز انداز میں مسکرا اٹھے—

مجرم تیار ہے

چند لمحے تک خاموشی چھائی رہی، آخر محمود نے کہا:

"تت، تو کیا آپ مجرم کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں؟"

"ابھی نہیں، میں مجرم کی طرف سے کسی بدحواسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے، وہ بوکھلاہٹ میں کوئی زبردست غلطی کرے گا — اس سے پہلے اس پر ہاتھ ڈالنا اس لیے مناسب نہیں کہ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"کیوں ابا جان، وہ خط کیا ثبوت نہیں ہے؟"

"ہاں، ٹھیک ہے — وہ ایک ثبوت ہے، لیکن اتنا کارگر نہیں"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، اتنا کارگر نہیں — مجرم کے ہاتھ کی تحریر تو بہت بڑا ثبوت ہے ابا جان۔"

"ہاں ہے، لیکن اس کیس میں ایسا نہیں ہے — خیر تم فکر نہ کرو۔ اگر مجرم نے آج رات تک کوئی حرکت نہ کی تو کل پھر ہم اسے گرفتار کر لیں گے۔"

"اور اس صورت میں آپ اس کے خلاف ثبوت کیا پیش کریں گے؟"

"ان تصویروں کو بطور ثبوت پیش کروں گا، وہ خط بھی کام آئے گا — اس کے علاوہ مجرم کے گھر کی تلاشی لینے پر بھی کچھ ثبوت ملنے کی زبردست امید ہے۔"

"گویا ہمیں ابھی ایک رات اور انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہاں۔" انھوں نے کہا۔

اس کے بعد انھوں نے ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا بس ہوں ہاں کر کے ٹال گئے، آخر وہ سونے کے لیے لیٹ گئے، پھر نہ جانے کس وقت ایک کھٹکے کی آواز سن کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے اپنے والد کو کہتے سنا:

"خبردار، ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

وہ جلدی جلدی باہر نکل کر ان کے کمرے میں داخل ہوئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کمرے میں ایک نقاب پوش موجود تھا، اس کے ہاتھ سر سے اوپر اٹھے ہوئے تھے، اٹھے ہوئے دونوں ہاتھوں میں سے ایک میں ایک کتاب تھی — کتاب پر نظر پڑتے ہی تینوں اچھل اٹھے — بیگم جمشید بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

"یہ — یہ کیا ابا جان؟"

"مجرم —" وہ بولے۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ ہاتھ میں کتاب کیوں اٹھائے ہو
"یہی کتاب تو یہ چرانے آیا تھا۔" وہ مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟ کتاب چرانے آیا تھا۔"

"ہاں، یہ کتاب بھی عجیب کتاب ہے۔" وہ عجیب سے ا
میں بولے۔

"جہاں تک میرا خیال ہے ابا جان، یہ وہی کتاب ہے جو
کھانے سے پہلے آپ پڑھ رہے تھے۔۔۔ یعنی جاسوسی ناول، لیکن
مجرم کو بھلا ایک جاسوسی ناول چرانے کے لیے یہاں آنے کی
ضرورت تھی اور یہ اندر کس طرح داخل ہوا؟"

"میں نے کمرے کی کھڑکی کھلی رکھی تھی۔۔۔ باغ کی طرف سے
کھڑکی پھلانگ کر اندر آ گیا۔۔۔ تپائی پر کتاب رکھی تھی۔ بس اٹھا
واپس جانے لگا تو میں نے روک لیا، کیونکہ میں سو نہیں رہا تھا،
تو اسی کے انتظار میں تھا۔۔۔ جانتا تھا، یہ ضرور آئے گا۔"

"آپ کو یہ یقین کس طرح تھا؟" فاروق نے حیران ہو کر پو

"اس کتاب کی اسے بہت ضرورت تھی۔۔۔ اس کے بغیر ا
نیند نہیں آتی۔۔۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے نا، سوتے وقت جب
تک کوئی کتاب نہ پڑھیں، انھیں نیند نہیں آتی۔ کچھ ایسا ہی معا
اس کے ساتھ بھی ہے۔"

"ابا جان، کیا آپ وضاحت نہیں کریں گے۔" وہ کھلکھلایا

"کیوں نہیں، کھٹکا تو میں نے تم لوگوں کو جگانے کے لیے کیا
تھا، کیونکہ تم بھی تو اس کے لیے بہت بے چین تھے۔۔۔ میں نے
سوچا، تمھاری بے چینی اب ختم ہو جانی چاہیے۔۔۔ زیادہ بے چین رہنا
بھی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔"

"اور یہ کتاب کا کیا معاملہ ہے؟"

"کتاب کا معاملہ ہی تو اصل معاملہ ہے۔۔۔ بھئی اب اسے
اٹھائے کیوں کھڑے ہو، ہاتھ تھک جائے گا تمھارا۔۔۔ ان کی طرف
اچھال دو، یہ کیچ کرنے میں بہت ماہر ہیں۔"

مجرم نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"ارے بھئی، کیا بہرے ہو گئے ہو۔۔۔ میں گولی چلانے کا فن
بھی جانتا ہوں۔۔۔ اب اگر تم نے کتاب ان کی طرف نہ اچھالی تو
میں تمھارے ہاتھ کو نشانہ بناؤں گا اور کتاب خود بخود اچھل کر ان
کی طرف چلی جائے گی۔"

"بہت اچھی ترکیب ہے ابا جان۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

مجرم نے کتاب ان کی طرف اچھال دی۔

"تو تم اپنے گروہ کو گرفتار کرانا چاہتے تھے۔" انسپکٹر جمشید
نے اچانک کہا۔

"جی، کیا کہا؟ یہ اپنے گروہ کو گرفتار کرانا چاہتا تھا؟" محمود
نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی، درمیان میں نہ بولو — بس سنتے جاؤ — بہت دلچسپ
کہانی ہے — تم بھی کیا یاد کرو گے کہ میں نے کوئی کہانی سنائی تھی۔"
"تو اطمینان سے بیٹھ جائیے نا، یوں کھڑے ہو کر کیا خاک
کہانی کا لطف آئے گا۔" فرزانہ پرجوش لہجے میں بولی۔
"چلو ٹھیک ہے، بیٹھ جاؤ — میرے بچپن کے دوست تم بھی
بیٹھ جاؤ۔"
مجرم بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا — وہ کسی بت کی طرح خاموش
تھا — آنکھیں بھی پتھرا گئی تھیں —
"سنو بھئی، یہ صاحب ایک عرصے سے ہمارے دشمن ملک
کے لیے جاسوسی کر رہے تھے — ان کا ایک باقاعدہ گروہ تھا — یہ
اس گروہ کو احکامات دیتے اور گروہ کے کارکن اس کی انگلیوں پر ناچتے۔
ان کے نائب ساجد ریحان اور ہارون نما تھے۔ ساجد ریحان تو صرف
پیغامات فون پر سن کر تحریر کی شکل میں لاتا تھا اور ہوٹل کے کمرے
میں قالین کے نیچے رکھ دیتا تھا، پھر دوسرے کارکنوں کے سامنے
وہاں سے پیغام نکال کر پڑھتا تھا — اس طرح سب کو یہ معلوم تھا
کہ لیڈر بھی ان کے آس پاس ہی کہیں موجود رہتا ہے۔ وہ سب
اس سے بہت خوفزدہ بھی رہتے تھے — اس طرح یہ شخص نہ جانے
کب سے ہمارے ملک کے راز دوسرے ملک کو بھیجتا رہا — ملک
کی جڑیں کاٹتا رہا، پھر اس پر شک کیا جانے لگا — اس نے یہ خبر

دشمن ملک کو دی — وہاں سے اسے احکامات ملے کہ گروہ کو خوبصورتی
کے ساتھ گرفتار کرا کر خود بالکل الگ ہو جائے۔ اپنے اوپر سے
شک و شبہات کے بادل بالکل ہٹ جانے دے۔ گھر میں کوئی ایسی
چیز نہ رکھے، جس سے وہ مجرم ثابت ہو سکے؛ چنانچہ اس نے ایک
منصوبہ بنایا — ان دنوں دوست ریاست کا شہزادہ ہمارے ملک میں
آیا ہوا تھا — اسے یہ بات معلوم تھی — اس نے اسے دیکھ لیا ہوگا،
بس اسے دیکھتے ہی اس نے گروہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کا پروگرام
بنا لیا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ شہزادے کی گمشدگی کا کیس میرے
حوالے ہی کیا جائے گا — لہٰذا اس نے خود ہی ہمیں شامل کرنے
کا فیصلہ کر لیا — ایک خط ہمیں لکھا اور ہم کاٹیا وادی پہنچ گئے،
لیکن وہاں ہمیں سلامت اللہ کہاں ملتا — یہ سب تو منصوبے کا حصہ
تھا، پھر ہمیں غلط سڑک پر ڈال دیا گیا — ادھر سے شہزادے کو اغوا
کر کے لایا جا رہا تھا، اس طرح ہمیں ایک جگہ جمع کر دیا گیا — یہ
جانتا تھا، ہم کسی نہ کسی طرح فرار ہو جائیں گے اور پھر گروہ کو
گرفتار کر لیں گے — اس طرح یہ محفوظ کا محفوظ رہ جائے گا، لیکن
بھلا میں اسے کس طرح محفوظ رہنے دے سکتا تھا، جب تک مجرم کو
گرفتار نہ کر لیتا، مجھے چین نہ ملتا — میں نے [illegible] شہزادے
نکال کر دیکھیں تو جان گئی — وہ اس کے بارے میں [illegible]
کیں۔ اسی طرح خصوصی ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ [illegible]

سمگل کیا جا رہا ہے۔ اسی وقت میں نے بھی اس کی نگرانی شروع کرادی اور اب تم اسے یہاں دیکھ رہے ہو۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"لیکن کیوں، یہ یہاں کیوں آیا — اسے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی — کتاب کا کیا معاملہ ہے — آپ نے اس پر تو روشنی ڈالی ہی نہیں۔"

"ہاں، کتاب تو رہ ہی گئی — دراصل اس کتاب کا چور میں ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا فرمایا، کتاب کے چور آپ ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"ٹھہرو بھئی، میں پوری بات بتاتا ہوں — مجرم کو معلوم تھا، دوست ریاست کے شہزادے کے سلسلے میں پورے کا پورا گروہ گرفتاری سے نہیں بچے گا۔ گروہ کی گرفتاری کے بعد وہ اپنے پاس ہونے کے تمام ثبوت ختم کر دے گا۔ گھر میں اگر کچھ اس قسم کے کاغذات موجود ہوئے تو انہیں تلف کر دے گا۔ اس طرح اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں رہ جائے گا اور چین کی بنسری بجائے گا، لیکن اس سے غلطی صرف یہ ہوئی کہ مجھے حلاوت اللہ کے نام سے خط لکھ بیٹھا — اس نے یہ نہ سوچا کہ میں اس معاملے کو خاص اہمیت دوں گا کہ مجرموں کو میرے بچپن کے دوست کا نام کس طرح معلوم ہو گیا یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کا مقصد صرف اپنے گروہ

کو گرفتار کرا دینا ہی تھا تو اس کا سیدھا طریقہ یہ تھا کہ پولیس کو فون کر دیتا اور گروہ کے بارے میں تمام تفصیلات بتا دیتا، لیکن یہ تو ڈرامائی انداز میں انہیں گرفتار کرانا چاہتا تھا — یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی — اس کے بارے میں تو کسی کو معلوم ہی نہیں تھا — اگر یہ گروہ سے تعلق چپ چپاتے ختم کر لیتا تو گروہ بے چارہ تو اپنے باس کے احکامات کا انتظار ہی کرتا رہ جاتا — ٹھیک ہے، یہ ایسا کر سکتا تھا اور اس طرح شاید یہ محفوظ بھی ہو جاتا، لیکن اس طرح اسے مزا نہ آتا — یہ تو اس فخر کا مارا ہوا تھا کہ اس سے زیادہ ذہین آدمی آج تک پیدا ہی نہیں ہوا، اور یہ کہ اپنے دماغ کے ذریعے یہ بڑے سے بڑے ذہین آدمی کو بھی شکست دے سکتا ہے۔ صرف یہی ایک وجہ نظر آتی ہے، اس سارے ڈرامے کی اور کوئی بھی نہیں اور مارا گیا یہ گروپ فوٹو اور اس کتاب کی وجہ سے۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

"آپ نے کتاب کی وضاحت اب تک نہیں کی۔"

"اب اس کی باری ہے — تمہیں یاد ہو گا، جب ہم دلبر شریف صاحب کے گھر گئے تھے اور ہم نے ان سے سوالات کیے تھے، پھر ان سے تحریر بھی لی تھی، لیکن تحریر مجرم کی تحریر سے نہیں ملی تھی — اس کے بعد محمود، تم نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ کہیں دلبر شریف صاحب

بائیں ہاتھ سے لکھنے کے عادی تو نہیں، اس پر ہم نے اس کی فائلیں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ فائلیں دکھانے کے لیے وہ ہمیں اپنے کمرے میں لے گئے۔ وہاں ایک عورت ایک کتاب پڑھ رہی تھی — دلبر صاحب نے اس عورت کو شازی کے نام سے پکارا تھا۔ وہ عورت کتاب بستر پر رکھ کر چلی گئی تھی — کسی خیال کے تحت میں وہ کتاب وہاں سے اٹھا لایا اور اس صفائی سے کہ دلبر شریف صاحب کو احساس بھی نہ ہو سکا۔"

"کیا مطلب؟" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"لیکن صاف ظاہر ہے، ان کی بیوی نے بعد میں کتاب غائب پاکر ان سے ذکر کیا ہوگا اور یہ کتاب واپس حاصل کرنے کے لیے نقاب پوش بن کر یہاں آ گئے۔"

"ارے اللہ، تو یہ دلبر شریف ہے۔ ہم تو اب تک یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ سلامت اللہ ہے۔"

"نہیں، یہی وہ شخص ہے جس نے سلامت اللہ کے نام سے مجھے خط لکھا تھا۔"

"تب پھر تحریر کیوں نہیں ملی؟" فاروق نے اعتراض کیا۔

"اس لیے کہ وہ خط اس نے اپنی بیوی شازی کے ذریعے لکھوایا تھا — وہ بھی جاسوسی میں اس کی شریک ہے اور اس کا ثبوت یہ کتاب ہے — یوں تو یہ صرف ایک ناول ہے، لیکن اس جگہ جگہ

جگہ شازی نے اپنے ہاتھ سے نوٹس لکھے ہیں۔ بعض لوگوں کی یہ خاص عادت ہوتی ہے کہ کتاب پڑھتے وقت کوئی پسند کا جملہ وغیرہ آجائے یا کوئی ناپسندیدہ بات آ جائے تو اس پر نشان لگا کر اپنی رائے حاشیے پر لکھ دیتے ہیں۔ شازی بھی اسی عادت کی عادی ہے۔ اس نے جگہ جگہ اس کتاب پر کچھ لکھا ہے اور حقیقت تو یہ ہے جب ہم اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے، اس وقت بھی اگرچہ وہ کتاب پڑھ رہی تھی، لیکن اس کے ہاتھ میں بال پوائنٹ قلم بھی تھا اور یہی دیکھ کر میں نے کتاب چرانے کا پروگرام بنایا تھا۔ جب میں نے کتاب کے حاشیے پر لکھے الفاظ اس خط کی تحریر سے ملائے تو ان میں کوئی فرق نظر نہ آیا — ادھر گروپ فوٹو میں ایک تصویر دلبر شریف سے ملتی جلتی نظر آئی، پھر دلبر شریف کے انچارج سے اس کے بارے میں بات چیت کی تو معلوم ہوا، اسے شک کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس طرح میرا جال اس شخص کے گرد تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا اور اب یہ تمہارے سامنے ہے۔ اس کے ساتھی بھی بس آنے ہی والے ہوں گے۔"

"بھلا وہ کس طرح آنے والے ہوں گے؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"میں نے باہر موجود ہمارا [illegible] کی [illegible] کر رکھی ہے کہ جوں ہی کوئی ہمارے گھر میں داخل ہو [illegible]

میں داخل ہونے والے کو روکنے یا ٹوکنے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔"

"اوہ" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ اس ناول کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ اب ان کی سمجھ میں آیا کہ ان کے والد ناول کیوں پڑھ رہے تھے۔

"السلام علیکم سر۔" انہوں نے اکرام کی آواز سنی۔

"آؤ بھئی، لو دیکھ لو۔ مجرم تیار ہے۔"

"مجرم تیار ہے... ابا جان، آج تو آپ کمال کر رہے ہیں۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"جو مجرم خود کو ضرورت سے زیادہ عقل مند خیال کرتے ہیں، انہیں گرفتار کر کے مجھے ہمیشہ بہت خوشی ہوتی ہے۔ یہ بے چارہ صرف اپنے فخر اور غرور کی وجہ سے پکڑا گیا، ورنہ شک کی زد میں آجانے کے باوجود یہ محفوظ رہتا اور آہستہ آہستہ اس پر سے شک ختم ہو جاتا اور جب ایسا وقت آ جاتا تو یہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا، لہذا اچھا ہی ہوا، اس نے اپنے دماغ کو آزما ڈالا۔"

"ابا جان، دماغ لڑانا تو سنا تھا، دماغ آزمانا آپ سے آج ہی سنا ہے۔" فاروق بولا۔

"زندگی رہی تو ابھی اور بہت کچھ سنو گے۔" وہ بولے۔

"ارے، یہ محمود کہاں کھو گیا؟" فرزانہ کی آواز نے انہیں محمود

کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اس دوران اکرام مجرم کو ہتھکڑیاں پہنا چکا تھا۔

"کہاں کھو گئے؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے دیکھا، محمود جاسوسی ناول میں کھو چکا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے، بہت دلچسپ ناول ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اُف خدا، تو یہ بات ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"کیا بات ہے، معمّے میں باتیں کیوں کر رہے ہو۔ کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔" فاروق نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اس جاسوسی ناول کی کہانی بالکل یہی ہے، جو اس کیس میں ہم پر گزری۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"یہ بھی ایک گروہ کے باس کی کہانی ہے۔ اس ناول کے گروہ کا باس بھی اپنے گروہ کو گرفتار کرانا چاہتا ہے۔ اس نے اس سے ملتا جلتا ہی کوئی طریقہ اختیار کیا ہوگا۔"

"اوہ، تب تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کو یہ سارا منصوبہ اس کی بیوی نے سمجھایا تھا اور اس نے یہ ناول پڑھ کر منصوبہ ترتیب دیا ہوگا اور شاید اسی لیے بھی یہ دونوں اس ناول کے لیے بے چین تھے۔"

"اب تو میں بھی اس کے لیے بے چین ہو چکا ہوں۔ بھئی محمود،

ذرا دکھانا تو۔" یہ کہہ کر فاروق نے کتاب اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ ساتھ ہی فرزانہ نے جھپٹا مارا اور کتاب اس کے ہاتھ میں آگئی۔

"تم اپنے کمرے میں جا کر کتاب کے لیے لڑو، ہم تو اب آرام کریں گے۔ اکرام، تم اسے لے جاؤ۔ اس کی بیوی کو بھی گرفتار کرنا ہے، وہ کتاب کے انتظار میں بیٹھی ہوگی۔"

"تو پھر انکل، اس بے چاری کے لیے یہ کتاب بھی لیتے جائیے۔ جیل میں پڑھا کرے گی۔" فاروق نے کہا اور کتاب فرزانہ کے ہاتھ سے جھپٹ کر اکرام کی طرف بڑھا دی۔ اکرام بیوقوفوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ادھر فرزانہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

سازش کا شکار کا انعامی سوال

س : ناول میں سے پسندیدہ جملہ منتخب کیجیے اور ایک کاغذ پر لکھ بھیجیے۔

اشتیاق احمد کے منتخب کردہ جملہ بھیجنے پر مبلغ ۱۰۱ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جائے گا۔

نوٹ : موصول ہونے والے تمام درست جملوں کی قرعہ اندازی کے بعد انعام دیا جائے گا۔ جملے ۲۰ جون تک وصول کیے جائیں گے۔

(ادارہ)

5000/- کے نقد انعامات

نویں خاص نمبر کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید۔
آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا
اور شوکی برادرز کا مشترکہ کارنامہ۔

دنیا کے قیدی

مصنف : اشتیاق احمد

- تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل خاص نمبر، قیمت ۲۵/- روپے
- ۵۰۰۰/- روپے کے نقد انعامات ـــ انعامات ہمیشہ ناول کی اشاعت کے ساتھ ہی پیش کر دیے جاتے ہیں۔
- تینوں پارٹیاں پہلی بار ایک ساتھ جلوہ گر ہو رہی ہیں۔
- ملک کا ایک مشہور و معروف آدمی لڈو کھیل رہا تھا۔
- شوکی برادرز جب امتیازو کے مقابلے میں آئے تو کیا ہوا۔

قدم قدم پر مسکرائیے۔

- چھ معروف ہستیاں چھ ماہ تک کہاں غائب رہیں اور کیا کرتی رہیں۔ ایک سوال جس کا جواب آخر تک معلوم نہیں ہو سکے گا۔
- انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت ایک جزیرے پر موت کا کھیل کھیلتے نظر آئیں گے
- سلاٹرکا انسپکٹر کامران مرزا سے ایک عجیب و غریب اور خونریز معرکہ۔
- آفتاب، آصف اور فرحت کو ایک مقام پر ایک عجیب چیز نظر آئی۔
- انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق، فرزانہ، پروفیسر داؤد اور خان رحمان اس بار ایک نامعلوم مقام پر پہنچے ہوئے تھے کیوں؟ وجہ پروفیسر داؤد کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھی۔
- انسپکٹر کامران مرزا بالکل تنہا کھڑے تھے۔ ان کے چاروں طرف پہاڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔
- ایک لانچ ـ جس پر ایک پیٹی سوار تھی۔
- لانچ کا ڈرائیور آفتاب، آصف اور فرحت کے لیے ہولناک ارادہ رکھتا تھا۔
- پیٹی کھلی تو اس میں سے کیا برآمد ہوا ـــ آپ اچھل پڑیں گے۔
- سمندر میں ایک ہولناک جنگ، لیکن یہ جنگ کس نے کی تھی؟
- ناریلوں سے بنائے گئے ایک مکان میں انسپکٹر کامران مرزا عجیب و غریب حالات کا شکار۔
- ہر قدم پر ایک نئی مہم کا سامنا۔
- انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان ایک عجیب واردات میں۔

- اور ووڈو کا یہ مقابلہ رسے دادا سے تھا۔ اس دوڑ میں جیت کس کی ہوئی؟
- انسپکٹر جمشید ان تینوں کو کسی کا جوتا چرانے کا حکم دیتے ہیں۔
- جب تین بڑے مجرم ایک ساتھ ان کے مقابل آئے تو کیا بیتی؟
- شوکی برادرز سے ان کی ملاقات کن عجیب حالات میں ہوئی۔ آپ ہرگز اندازہ نہیں لگا سکتے۔
- انہیں موت کے جزیرے میں پھینک دیا گیا۔ اس قدر ہولناک جگہ کے بارے میں آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔
- رسے دادا نے ان کے لیے کھانا بھیجا تو کھانے کے ساتھ ایک بلی بھی تھی۔
- ایک موقع جب خان رحمان بول اٹھے، جمشید تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔
- رسہ کشی کا ایک حیرت انگیز مقابلہ۔ آپ نے اتنا عجیب مقابلہ پہلے کبھی دیکھا ہوگا نہ سنا اور نہ پڑھا۔
- ایک میدان میں ایک ہولناک منظر ان کا انتظار کر رہا تھا، انہیں اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔
- رسے دادا، ڈاتا نیو اور سلاٹر ایک انوکھی چیز سے جنگ کرتے نظر آئیں گے۔
- اور وہ سب کے سب ایک شخص کے اشاروں پر ناچ رہے تھے۔ وہ کون تھا؟
- طنز و مزاح، ہر موڑ پر خطرات، مہمات، جنگ، خونی مقابلے۔ آپ چونک چونک اٹھیں گے۔
- سلاٹر سے یادگار جنگ کس نے لڑی؟

انہیں کٹھ پتلیوں کی طرح کون نچا رہا تھا۔

اور اب انعام کی تفصیل:

اس بار انعامی جملے کی بجائے انعامی سوال دیا جا رہا ہے؛ گویا آپ کی ذہانت کا امتحان ہوگا۔ انعام کی رقم ۵۰۰۰/- روپے رکھی گئی ہے۔ سب سے پہلے موصول ہونے والے درست جواب پر مبلغ ۲۰۰۰/- روپے۔ دوسرے درست جواب پر ۱۰۰۰/- روپے۔ تیسرے درست جواب پر ۵۰۰/- روپے۔ بقیہ ۱۵۰۰/- روپے ان تمام درست جوابات میں برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے، جو پہلے تین درست جوابات کے بعد موصول ہوں گے۔

آپ اسی وقت سے خریداری کی تیاری شروع کردیں۔ سٹالوں پر ایڈوانس بکنگ کرانا نہ بھولیں۔ براہ راست ہم سے بھی منگوا سکتے ہیں۔ ۲۴/- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ ایسا نہ ہو آپ خاص نمبر سٹالوں پر تلاش کرتے پھریں اور خاص نمبر آپ کو نہ ملے، بک سٹال والے آپ کو انگوٹھا دکھا دیں۔ اور آپ پیچ و تاب کھا جائیں، لہذا تیار ہو جائیے۔

بک سٹالوں پر پہنچنے کے لیے 20 جون یاد رکھیے

اشتیاق احمد کی زندگی کا تیسرا ناول!

شیشے کا بکس

- یہ ناول دس سال پہلے شیخ غلام علی اینڈ سنز سے شائع ہوا تھا۔
- اب اس کے حقوق اشاعت مجھے واپس مل گئے ہیں۔
- لہذا اشتیاق پبلی کیشنز سے شائع کیا جا رہا ہے۔
- وہ ناول جس کی اشاعت کے بعد بچوں نے اشتیاق احمد کے نام سے ناول مانگنے شروع کیے۔
- سسپنس اور مزاح کا طوفان لیے ہوئے۔

—— بیس جولائی کو پڑھیے ——

صفحات: ۱۶۰ —————— قیمت: چھ روپے

خونی دعوت کا انعام:

انعامی جملہ یہ تھا:

مجھے افسوس ہے، یہ کارنامہ ہی نہیں دکھا سکوں گا۔

سب سے پہلے جن صاحب کا جملہ موصول ہوا، ان کا نام درج ذیل ہے۔ انہیں مبلغ ۲۵/- روپے کا نقد انعام روانہ کیا جا رہا ہے۔ اپنی تصویر اشاعت کے لیے بھیج سکتے ہیں۔

محمد وسیم احمد، مکان نمبر [illegible] ۱۴۲ مسعود آباد، کراچی نمبر [illegible]

نوٹ: گزشتہ [illegible] غلطی سے [illegible] انعام کا اعلان نہ ہو سکا

بھوانی کے مجرم کا انعام:

انعامی جملہ یہ تھا:

زندہ قوموں کو اپنے وطن کی حفاظت کے لیے جنگیں لڑنا ہی پڑتی ہیں۔

سب سے پہلے جن صاحب کا جملہ موصول ہوا، ان کا نام درج ذیل ہے۔ انہیں مبلغ ۲۵/- روپے کا نقد انعام روانہ کیا جا رہا ہے۔ اپنی تصویر اشاعت کے لیے بھیج سکتے ہیں۔

منصور احمد، [illegible] بی بلاک [illegible] بستی [illegible] آباد

والدین کیا کہتے ہیں؟

ایک نیا انعامی سلسلہ: بہترین خط پر مبلغ ۱۰۰/- روپے کا نقد انعام

عام طور پر سُننے میں آتا ہے کہ:

- اشتیاق احمد نے بچوں کو بگاڑ دیا ہے۔
- بچے بس اسی کے ناول پڑھتے رہتے ہیں۔
- وہ اور کسی کام کے نہیں رہے۔
- اشتیاق احمد کے ناولوں نے بچوں میں فلاں فلاں خوبیاں پیدا کی ہیں، مثلاً ان کی اردو بہتر ہو گئی ہے، بامحاورہ اردو بولنے لگے ہیں، جذبۂ حب الوطنی پیدا ہو گیا ہے، ماں باپ اور بزرگوں کی عزت کا شعور پیدا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔

کچھ لوگ اشتیاق احمد کو اچھا کہتے ہیں، کچھ برا، کچھ خوبیاں بھی نکالتے ہیں۔ آپ اپنے والدین کو کہیے اور ان سے ایک عدد خط لکھوائیے۔ کیا خبر آپ کے والد کا خط ہی انعامی خط ہو۔

خطوط کے آئینے میں

نوٹ: پہلے تین سوال انعامی قرار پائے۔ انہیں مبلغ ۱۵/۲ روپے فی کس نقد روانہ کیے جا رہے ہیں۔

ڈیئر اشتیاق احمد السلام علیکم،

یہاں تمام ناول خیریت سے ہیں اور دوسرے تمام ناولوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتے ہیں۔ دیگر احوال یہ ہے کہ خاص نمبر پڑھے۔ پڑھ کر افسوس ہوا۔ وہ، میں بھول ہی گیا بطلب یہ کہ خاص نمبر پڑھ کر وہ ہوئی۔ انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا سیریز کا ناول سلاٹر کی واپسی مار دھاڑ ایکشن، ان گنت سنسنی خیز ہنگامے، بھرپور مزاح اور خوفناک مناظر کا ایک بالکل شریف اور موٹا سا ناول تھا، پڑھ کر جی چاہا، جاسوس بن جاؤں اور ساری عمر مزے مزے میں گزار دوں۔ سیلاب کی طرح تیز رفتار اور اپنے ساتھ ہر چیز کو بہالے جانے والا پورا سا ناول انسانی دھواں پڑھ کر جی چاہا، جراثیم کا ماہر۔ نہیں بھی جراثیموں کا ڈاکٹر، بلکہ سائنس دان بن جاؤں اور ایسے جراثیم ایجاد کروں کہ ایک ایسے آدمی کو اڑا دوں، جس نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے، اس کا

نام الف سے شروع ہوتا ہے اور دال پر ختم — پہلی بار خط لکھ رہا ہوں،
امید ہے اپنی لاڈلی، چہیتی، بھولی اور لاپرواہ ڈگری کو ضرور کھلائیں گے۔
فقط: قاری ۲۲۳، اے حسرت موہانی روڈ۔ منگھوپیر روڈ گلی نمبر ۸ کوچہ
غریب نواز نزد بڑا بورڈ۔ کراچی ۱۶

اچھے انکل، سدا یونہی خط شائع کرتے رہیں — پہلے بھی آپ مجھے
اچھے لگتے تھے، لیکن بقول باجی، اب تو آپ کے گن گاتی ہوں۔ ایک
روز ان سے جھڑپ ہوئی کہ آپ کی برائیاں کر رہی تھیں۔ کہنے لگیں
تم اشتیاق بدتمیز ہو اور اس بدتمیزی کا سہرا تمہارے انکل کے سر ہے۔
غصہ تو بہت آیا، پھر خیال آیا، باجی سے دو دو ہاتھ کرنے ٹھیک نہیں
کل [illegible] ہے انکل کے رسائل دھوم دھام سے بازار تشریف لا رہے
[illegible] کتابیں کون لا کر دے گا؛ چنانچہ انہیں
منانا پڑا، لیکن وہ بھی ایک ہی کائیاں ٹھہریں [illegible] تو لے آئیں
لیکن لا کر ہمارے استاد محترم کو دے دیے۔ پتا چلا تو چھکے چھوٹ گئے
لگے ہاتھوں گھر کا پہنچے — بہت غصہ آیا، لیکن ادھر استاد محترم کا حکم تھا
کہ جب تک قرآن پاک ختم نہیں کر لوں گی، ناول نہیں ملیں گے۔ بڑی
مشکل سے ان سے ناولوں کے اگلے پچھلے صفحات دیکھنے کی اجازت طلب
کی۔ ناول کھول کر دیکھے تو اپنا خط موجود پایا۔ استاد محترم نے خط دیکھا تو
شاباش دی اور نہ صرف وہ ناول پڑھنے کے لیے دے دیے، بلکہ انعام

کے طور پر آئندہ ماہ کے ناول ان کی طرف سے ملیں گے۔ شاید اسی کو
کہتے ہیں پتھر میں سوراخ ہونا — اب بس۔
عزہ ہاشمی معرفت حاجی صوبیدار غلام نبی صاحب تحصیل پھالیہ ضلع
گجرات ڈاکخانہ خاص ہیلاں۔

ڈیئر انکل، آپ کے لیے اجنبی نہیں — ایک بار ملاقات کر چکا
ہوں۔ ملاقات سے پہلے ذہن میں آپ کی شخصیت کا ایک تصور قائم
ہو چکا تھا، لیکن خیال یہی تھا کہ یہ شخص بھی دوسرے اہل قلم کی طرح
خاص کاروباری ذہن کا مالک ہوگا، لیکن جب ملاقات ہوئی تو برعکس
نظر آئے۔ آپ کے ناول شوق سے پڑھتا ہوں۔ اخلاقی اور اصلاحی
لحاظ سے دیکھا جائے تو آپ کے ناولوں میں یہ سب باتیں موجود
ہوتی ہیں — سر سید احمد خان نے کہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ
تم نے دنیا میں [illegible] کیا کام کیا تو کہہ دوں گا کہ حالی سے مسدس
حالی لکھوائی۔ اللہ تعالیٰ ضرور بخش دیں گے اور آپ جو نئی نسل کو
اخلاقیات اور احادیث کا درس دے رہے ہیں، ان کے طفیل اللہ
رب العزت آپ کو ضرور رحمتوں سے نوازیں گے۔ معاشرتی لحاظ سے بھی
آپ کے ناول خوب ہیں، لیکن بعض اوقات چند [illegible] ناول بھی ہوتے
[illegible] غیر حقیقی واقعات بھی پڑھنے میں آتے ہیں۔ [illegible] آپ کے [illegible]
بچوں کی جیبوں پر [illegible] [illegible]

خرید نا بہتر ہے، کیونکہ ان سے ذہنی اور جسمانی ہی نہیں، دینی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، لہٰذا گھاٹے کا سودا نہیں ہے ۔۔۔ آپ مزاح اور شگفتگی کا دامن نہیں چھوڑتے۔ آپ کے ناول زندگی سے بھرپور ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کی طرح نصیحتوں کے انبار نظر نہیں آتے ۔۔۔ ارے، میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا ۔۔۔ معاف کیجیے گا۔

وقار مصطفیٰ ۲۰۳۔اے سٹی لائٹ ٹاؤن، جھنگ

جاسوسی دنیا کے پبلشر اشتیاق احمد، خلوص بھرا اسلام قبول ہو ۔۔۔

میں اس سے پہلے بھی کئی ہزار بار خط ارسال کر چکا ہوں، مگر آپ نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا اور نہ شائع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب میں ہر خط بذریعہ رجسٹری بھیجنے کا پروگرام بنایا ہے۔ مجھے آپ کے دماغ پر بڑا رشک آتا ہے، کیونکہ آپ مہینے میں چار چار ناول لکھ دیتے ہیں۔ میں نے تو ایک چھوٹی سی کہانی دو دن میں لکھی تھی، جو حریت میں چھپی تھی ۔۔۔ کہیں آپ اپنے کرداروں سے تو کہانی نہیں لکھواتے ۔۔۔ کیا پروفیسر داؤد مجھے بھی کھلونے بنا کر دے سکتے ہیں۔

محمد ہمایوں ظفر ۔۔۔ شاہ فیصل کالونی ۲ کراچی۔

پیارے انکل اشتیاق، السلام علیکم،

ایک ماہ کے انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ آپ کو یہ جان کر خوشی

ہو گی کہ میں نے میٹرک کا امتحان لاہور بورڈ سے دیا تھا اور ۸۵۰ میں سے ۷۸۱ نمبر حاصل کر کے لاہور بورڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کی ہے۔ نمبروں کا اوسط ۹۱.۸۸ فی صد رہا۔ اس سے پہلے سکول میں بھی اعلیٰ پوزیشن حاصل کرتا رہا۔ اس سال گورنمنٹ سنٹرل ماڈل ہائی سکول لاہور میں تعلیم حاصل کی اور اس میں سے آٹھ سال مانیٹر رہا۔

میرے گھر والے آپ کے سخت مخالف ہیں، لیکن اب وہ اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ فارغ اوقات میں آپ کے ناول پڑھ سکتا ہوں۔ آپ کے پڑھنے والے نالائق ہرگز نہیں ہیں۔ نالائق لوگ تو آپ کے ناول سمجھ بھی نہیں سکتے۔ محاورات کا استعمال مجھے خوب آگیا ہے۔ مبارک باد دینے والوں میں ایک پروفیسر صاحب اپنی بیگم کے ہمراہ آئے۔ امی نے انہیں میری الماری دکھاوی، جس میں آپ کے ناول بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگیں، توبہ [illegible] اس اشتیاق کا، اس نے تو بچوں کو اصل ہی خراب کر دیا۔ دیوانے ہو رہے ہیں اس کے۔ پھر فوراً ہی امی سے بولیں، اگر آپ برا نہ مانیں تو کچھ ناول مجھے دے دیں، میرا بیٹا بھی بہت شوق سے پڑھتا ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیں، ایک طرف برائیاں، ایک طرف شوق۔

غلام کریم ۷۔ ایس ۳۳ قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ، لاہور

ڈیئر انکل اشتیاق،

پتا نہیں، آپ کو کس نے ناول لکھنے کا لائسنس دے دیا۔ اتنے مزے دار ناول آپ خود تو لکھتے نہیں ہوں گے۔ آج کل کی جو ایک ایجاد ہے کمپیوٹر۔ بس کمپیوٹر سے باتیں پوچھ لیتے ہوں گے اور ہم پر دو ٹکے کا رعب ڈال دیتے ہیں ایسے ہی۔ یہ بھی بھلا کوئی تک ہے۔ فقط:

نعیم آفتاب، فیصل آباد۔ (پورا پتا نہیں لکھا)

ہمارے جاسوسی انکل، آداب۔

ہم لوگ کینیڈا، ٹورنٹو میں رہتے ہیں۔ آج کل ممی پاپا کے ساتھ پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ ممی پاپا دونوں پاکستانی ہیں۔ الحمدللہ، ہم بھی پاکستانی ہیں۔ حیدرآباد وہیں آنٹی کے ہاں چھٹیاں گزارنے آئے ہوئے ہیں۔ ہمارے کزن نے آپ کا ایک ناول پڑھنے کو دیا۔ ہمیں اتنا پسند آیا کہ کیا بتائیں۔ اب ہمارا زیادہ وقت آپ کے ناول پڑھنے میں گزرتا ہے۔ جب واپس ٹورنٹو جائیں گے تو آپ کے ناول لے کر جائیں گے، تاکہ وہاں ہمارے دوست بھی یہ مزے دار ناول پڑھ سکیں۔ اللہ حافظ، فقط:

امینہ جاوید، حمیدہ جاوید، حیدرآباد۔